ڈاکٹر محمد یونس بٹ

افراتفریح



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اوران کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔



فہرست

افراتفریح



گلابوں والی گلی والی

اس وقت کی بات ہے جب لڑکیاں آج کے زمانے سے زیادہ لڑکیاں ہوتی تھیں۔ شعبہ نفسیات پنجاب یونیورسٹی کی طالبہ نیلم کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھی' اچانک احمد بشیر اس کے پاس آیا اور کہا "یہ بعد میں لکھ لینا پہلے ذرا شادی کر لو" اور حیران دیکھتی رہی۔ احمد بشیر کو حیران کرنے کی بری عادت ہے' یہاں تک کہ لوگ نیلم' سنبل' بشریٰ انصاری اور اسماء وقاص کو اس کی بیٹیاں سمجھتے رہے۔ چاروں ادب و ثقافت میں آئیں تو بیٹا نکلیں۔

نیلم احمد بشیر کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اسے لگا کہ وہ گھر میں نہیں' لائبریری میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ سب بہنوں سے بڑی تھی اور اب تک بڑی

ہے۔ بچپن میں اس سے چھوٹی سی غلطی ہو جاتی تو احمد بشیر کہتا "تمہاری یہ جرأت! چھوٹی سی غلطی تو آج تک ہمارے خاندان میں کسی نے نہیں کی۔" صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کر کے ماں کہتی کہ اب آپ اٹھ جائیں' میں نے آپ کے دانت صاف کر دیئے ہیں۔

شکل و صورت ایسی کہ منٹو کو پڑھ رہی ہو تو لگتا ہے' بہشتی زیور پڑھ رہی ہے۔ ویسے وہ اتنی معصوم نہیں جتنی شکل سے لگتی ہے' اس سے زیادہ ہے۔ اپنے ہاتھ سے کئے کام کو اچھا سمجھتی ہے۔ وہ تو اپنے ہاتھ سے ابالے پانی کو بھی دوسروں سے زیادہ گرم سمجھتی ہے۔ بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نہیں نکالتی' منہ سے نکالتی ہے۔ بولنے کا اس قدر شوق ہے کہ اس کی بیشتر کہانیاں واحد متکلم میں ہوتی ہے۔ سوچتی انگریزی میں' بولتی پنجابی اور لکھتی اردو میں ہے۔ لیکن سمجھتی کسی زبان میں بھی نہیں۔

اس قدر نرم دل کہ ٹی وی ڈرامے میں کسی جاننے والے کو بیمار دیکھ لے تو اس کے گھر عیادت کرنے چلی جائے گی اور اگر کوئی سچ مچ بیمار ہو تو اس قدر پریشان ہو گی کہ اس کا چہرہ دیکھ کر بیمار کو اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہے گی۔ یادداشت بہت بری ہے۔ آپ پوچھیں گے' کیا ہر بات بھول جاتی ہے؟ جی نہیں! ہر بات یاد رکھتی ہے۔ دوسروں کے دکھ سکھ میں اس قدر شامل ہوتی ہے کہ موچ کسی کے پاؤں میں آتی ہے اور چلا اس سے نہیں جاتا۔

مشہور گلوکارہ بننے کے لئے جو کچھ چاہئے' اس کے پاس ہے۔ گا بھی لیتی ہے پینٹنگ بھی کرتی ہے۔ ویسے تو ہر خاتون بنیادی طور پر پینٹر ہوتی ہے لیکن "ف" کہتا ہے کہ یہ ضروری بھی نہیں' کچھ خواتین میک اپ نہیں بھی کرتیں۔ اداکاری کا بھی شوق ہے۔ بشریٰ انصاری اور اسماء وقاص نے تو یہ شوق پورا کرنے کے لئے ٹی وی ڈراموں میں کام کیا اور اس نے شادی کر لی۔ اس لحاظ سے وہ اپنی ذات میں انجمن ہے۔ مگر جنھوں نے اسے دیکھا اور "انجمن" کو بھی دیکھا ہے' وہ نہیں مانتے۔

صبح گھر سے نکلتے وقت پہلے گاڑی تک آئے گی۔ اسے ہی پتہ ہوتا ہے کہ وہ چابیاں تلاش کر رہی ہے۔ محلے والے سمجھتے ہیں' جو گنگ کر رہی ہے۔ کہتے ہیں جس دن نوکرانی پر غصہ آئے تو اسے کچھ کہنے کی بجائے گھر کا سارا کام خود کرنے لگے گی۔ اس حساب سے تو ہر وقت غصے میں رہتی ہے۔ کہتی ہے میں نے ایک دن نوکرانی کو کہہ دینا ہے "میرے سے اب اتنا کام نہیں ہوتا تم کوئی اور مالکن رکھ لو۔" مالی ہر مہینے والد کی وفات کا بہانہ کر کے ایڈوانس اور چھٹی لے جاتا ہے اور یہ ہر ماہ سخت دل کر کے

فیصلہ کرتی ہے کہ اللہ کرے اب اس کا والد فوت نہ ہو۔ اگر ہو گیا تو اب ایڈوانس اور چھٹی نہیں دوں گی۔

اس کے گھر میں ہر قسم کا ساز و سامان ہے۔ میں نے اکثر سنا ہے' والدین نے بیٹی کو جہیز میں بڑا ساز و سامان دیا تاکہ اسے نیا گھر چلانے میں آسانی ہو۔ سامان کی تو سمجھ آ جاتی ہے' ساز کیوں دیتے ہیں؟ اس کا پتہ نہیں۔ بہرحال اس کے پاس بڑی اینٹیک چیزیں ہیں جو اس نے اس وقت خریدیں جب ابھی نئی تھیں۔

پندرہ برس امریکہ اس گھر میں رہی' جہاں اس قدر سردی ہوتی کہ کار اور گفتگو اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں گھنٹوں لگ جاتے' تب کہیں جا کر کار اسٹارٹ ہوتی۔ امریکی معاشرہ تو وہ ہے جہاں ایک شادی کی تقریب میں ایک خاتون نے نئی آنے والی مہمان سے پوچھا کہ آپ دولھے کی کون ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں دولہے کی بہن ہوں۔ تو پہلی عورت نے کہا "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی میں دولھے کی والدہ ہوں۔" پندرہ سال اس معاشرے میں رہنے کے بعد اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دن میں دوبار بھی ملے تو ہر بار یوں ملے گی جیسے پندرہ سال بعد مل رہی ہو۔

کہتی ہے مجھے بچپن ہی سے ادب سے لگاؤ تھا اس لئے جب سائنس ٹیچر نے کہا "مادہ پھیلتا ہے" تو اس نے فوراً اٹھ کر تذکیر و تانیث کی غلطی نکال کر کہا "مادہ پھیلتی ہے۔" یہی نہیں وہ تو مادہ پرست بھی شادی شدہ کو سمجھتی ہے۔ نیلم کی عمر کے معاملہ میں ان سے بہت کم عمر ہے جو اس سے زیادہ عمر کی ہیں اور ان سے تھوڑی سی بڑی ہے جو اس سے بہت کم عمر ہیں۔

دس سال کا بچہ بھی اس سے گھنٹہ گفتگو کر لے تو وہ خود کو چالیس سال اور اسے دس سال کا سمجھنے لگے گا۔ غلطی کرنے کے باوجود اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس نے غلطی کی ہے اسے تو شادی کے کئی سال بعد جا کر پتہ چلا کہ شادی شدہ ہے۔

نیلم پندرہ سال امریکہ میں نامکمل کاغذ ہاتھ میں پکڑے حیران کھڑی دیکھتی رہی۔ بہرحال ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اس دوران کچھ نہیں کیا' ماشاء اللہ تین بچوں کی ماں ہے۔ گزشتہ دو سالوں میں اس نے پندرہ سال پہلے کا خالی کاغذ رنگوں سے بھرا تو اس کا نام "گلابوں والی گلی" رکھا۔ کہتی ہے میں نے علامتی افسانے لکھے ہیں' غلط کہتی ہے۔ ایک بار امتحان میں ممتحن نے "ف" سے پوچھا کہ انور سجاد کے اس علامتی

افسانے کا مطلب کیا ہے؟ تو "ف" نے کہا "سر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے فیل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے سنا ہے "گلابوں والی گلی" بڑی ننگی کتاب ہے۔ جب نیلم نے یہ کتاب مجھے دی تو واقعی ننگی تھی یعنی بغیر ٹائیٹل کور کے البتہ اسے پڑھ کر میں خود کو ننگا محسوس کرنے لگا۔ مجھے لگتا ہے کہ نیلم جسے لوگ آج احمد بشیر کے حوالے سے جانتے ہیں' ایک وقت آئے گا کہ احمد بشیر کو لوگ نیلم کے حوالے سے جانیں گے۔



حسینہ ایٹم بم

اسے شاید ایٹم بم اس لئے کہتے ہیں کہ جو ہیرو اس کے ساتھ ایک گانا فلما لے' وہ پھر ہیرو کم اور ہیرو شیما زیادہ لگنے لگتا ہے۔ وہ فلم انڈسٹری کے قابل دید مقامات میں سے ایک ہے۔ بچپن ہی سے اس میں اداکارہ بننے کی صلاحیتیں تھیں یعنی دن کا کام رات کو کرتی۔ بارہ سال کی عمر میں ہی اس کی آواز اتنی بدل گئی کہ وہ ناں کہتی تو ہاں لگتا البتہ ہاں کہتی نہ تھی' ہاں کرتی تھی۔

تعلق اس خاندان سے جہاں مائیں بیٹیوں کو اتنا چیک نہیں کرتیں' جتنا چیک سمجھتی ہیں۔ اس کی نانی کے دور میں ایک حکمران نے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تو انہوں نے ان کی پشتوں کو کشتے لگا دیئے۔ اس کی والدہ کی باتیں حکمت بھری ہوتی ہیں

یعنی ہر چند فقروں کے بعد معجونوں اور مربوں کا ذکر ہوتا ہے۔ البتہ یہ خود مربے کو مربعے کہتی ہیں۔ عمر کے بارے میں ان کے ہاں کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کی والدہ سے عمر پوچھو تو کہے گی "تیس کے اوپر ہوں۔" اور وہ واقعی ٹھیک کہتی ہے اس کی عمر تیس سے اوپر ہے یعنی ستر سال ہے۔ گھر میں حسینہ ایٹم بم کی اپنی والدہ کے ساتھ تصویر ہے' جب اس کی والدہ ابھی دس بارہ سال کی بچی تھی۔ حسینہ ایٹم بم ڈبے کے دودھ پر پلی جس کی وجہ اس کی والدہ یہ بتاتی ہے کہ ڈاکٹر نے کہا تھا "بچی کے منہ میں جو کچھ ڈالو' اسے پہلے ابال لو"۔ بچپن میں جب شام کو اسے ٹیوشن پڑھانے والا ٹیچر پوچھتا کہ گیارہ کے بعد کیا آتا ہے" تو کہتی "ماسٹر صاحب گیارہ کے بعد کوئی نہیں آتا' بے شک قسم لے لیں۔"

سال میں چند مہینے شادی شدہ رہتی ہے کہتی ہے "میرے تین بچے ہیں' ایک پہلے خاوند سے' ایک تیسرے سے اور ایک میرا اپنا ہے"۔ پوچھو کہ جب تیسرا بچہ پیدا ہوا اس سے کافی عرصہ قبل تمہارا شوہر فوت ہو چکا تھا۔ کہے گی "وہ فوت ہوا تھا' میں تو فوت نہیں ہوئی تھی۔" جو بچی پہلے اسے ماں کہتی' اب یہ اسے یوں ملتی ہے جیسے اس کی بہن ہو یوں اس نے رویے سے اس کی ماں بہن ایک کر دی ہے۔ کہتی ہے' پہلا خاوند اس قدر شکی تھا کہ میں نے مری کی پہاڑیوں پر بیٹھ کر اسے تصویر بھیجی اور لکھا میرا سارا دن مری کی پہاڑیوں پر تمہارے بغیریوں تنہا گزرتا ہے تو وہ بجائے محبت کا جواب محبت سے دیتا' اس نے آگے سے یہ لکھ بھیجا کہ تم تنہا تھی تو پھر یہ تصویر کس نے کھینچی؟ پہلے گھر ایسا تھا کہ اسے پہلو بدلنے کے لئے بھی خاوند کو باہر بھیجنا پڑتا۔ جوں جوں گھر بڑا ہوتا گیا' خاوند چھوٹا ہوتا گیا۔ بعد میں گھر اتنا بڑا ہو گیا کہ اسے خاوند سے بھی بات کرنے کے لئے ٹیلی فون استعمال کرنا پڑتا۔ پھر ایک روز وہ سٹوڈیو جاتے ہوئے نوکروں سے کہہ گئی کہ میری واپسی تک وہ تمام چیزیں جنھیں میں استعمال نہیں کرتی' گھر میں نہیں ہونی چاہئیں اور وہ اس کے گھر واپس آنے سے پہلے ہی گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

دوسری شادی دو دن ہی چلی۔ اس کے جاگیردار عاشق نے شادی سے اگلی صبح جب وہ بغیر میک اپ کے سوئی ہوئی اٹھ کر سویرے سویرے اخبار پڑھ رہی تھی اسے ساس سمجھ کر گفتگو شروع کر دی جو طلاق پر جا کے ختم ہوئی۔ اس نے خاوند کی زندگی پر جو انمٹ نقوش چھوڑے' ان میں سے ایک اس کے ماتھے پر بھی تھا۔ کہتی ہے "تیسرے خاوند سے پہلی لڑائی کی صلح اس مولوی نے کرائی جو ان کا نکاح پڑھانے آیا تھا"۔ ایک بار خاوند نے لڑ کر قسم کھائی کہ مہینہ تمہیں منہ نہ دکھاؤں گا۔ بہت پریشان

ہوئی۔ ایک فلمساز نے تسلی دیتے ہوئے کہا' پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ چٹکی بجاتے مہینہ گزر جائے گا"۔ تو کہنے لگی۔ "اسی لئے تو پریشان ہوں۔" کہتی' "میں کئی کئی دن اس کے ساتھ باوفا رہتی لیکن پھر بھی وہ شادی کی سالگرہ پر پانچ منٹ کی خاموشی اختیار کرتا۔ چوتھی سالگرہ پر وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔"

دنیا میں بندہ آتا ہے تو ننگا ہوتا ہے اور جب جاتا ہے' سفید لٹھے میں ملبوس ہوتا ہے۔ گویا قیام دنیا کا وقفہ اتنا ہی ہے جتنا ننگے کا لباس پہننا۔ حسینہ ایٹم بم وہ لباس پہنتی ہے جو دیر سے شروع ہو اور جلدی ختم ہو جائے۔ لباس پہنا ہو تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ لباس کے اندر ہے اور باہر نکلنا چاہتی ہے یا لباس سے باہر ہے اور اندر جانا چاہتی ہے۔ بیٹھی ہوئی تصویر لگتی ہے۔ "ف" کہتا ہے "وہ تصویر تو ہے مگر اوور ایکسپوزڈ اور اوور ڈیویلپڈ۔" اس کا لباس اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ پاس کھڑے شخص کا سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

پشاور کی رہنے والی ہے اور کہتے ہیں' پشتو فلموں کو پسند کرتی ہے۔ حالانکہ بھری محفل میں اس سے پشتو فلم کا ذکر کر دیا جائے تو منہ پھیر کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ البتہ اپنے علاقے کے مردوں کا اس قدر احترام کرتی ہے کہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑی نہیں ہوتی۔

امریکہ میں رہی۔ ایک صحافی نے پوچھا "وہاں آپ صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے کیا کرتی تھیں" کہنے لگی "سب سے پہلے اٹھ کر میں واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آتی۔" دوران گفتگو اپنے بارے میں "ہم" استعمال کرتی ہے۔ پہلی شادی کے وقت سہیلیوں کے درمیان بیٹھی تھی تو مولوی صاحب نے پوچھا' "آپ کو فلاں بن فلاں قبول ہے۔" تو شرما کر کہا "ہم کو قبول ہے" تو مولوی صاحب نے فوراً ٹوکا "بی بی! صرف اپنی بات کریں۔"

کسی نے پوچھا "آپ کو سب سے پہلے جس نے پیار کیا آپ نے اسے کیا کہا؟ بولی "اس کو میں نے کیا کہنا تھا' کیونکہ اس وقت تک تو میں نے ابھی بولنا شروع نہیں کیا تھا۔" جس جسم پر تکیہ تھا' اب وہ خود تکیہ لگتا ہے۔ پہلے اس کی گردن صراحی جیسی تھی اب تو یہ خود صراحی لگتا ہے جو بہت سراہی گئی۔ خاندان تو وہ ہے جس میں بیٹی کو ماں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے مگر اسے دیکھ کر لگتا ہے' اس نے اپنا بوجھ اتنا اٹھایا نہیں' جتنا لٹکایا ہوا ہے۔ اس کا بدن قوسوں سے مل کر بنا ہے مگر ہر قوس کوس کوس کی ہے۔ جلد اتنی پتلی کہ جھکے تو لگتا ہے ابھی جسم کا کوئی حصہ ڈھلک کر نیچے اتر پڑے گا۔ بازو اتنے لمبے کہ

فلم میں انگڑائی لے تو سکرین سے باہر نکل آتے ہیں۔

اس کا گھر دیکھ کر بندہ گھبرا جاتا ہے مگر وہ پھر بھی گھیر لیتی ہے۔ سلمنگ سنٹر جاتی رہی' جس سے آہستہ آہستہ اس کا لباس سلم ہوتا گیا۔ مگر جسم اب بھی ایسا ہے کہ صرف کھڑے ہونے کے لئے اسے ایک بندے کی جگہ آگے اور ایک ہی کی پیچھے خالی رکھنا پڑتی ہے۔"

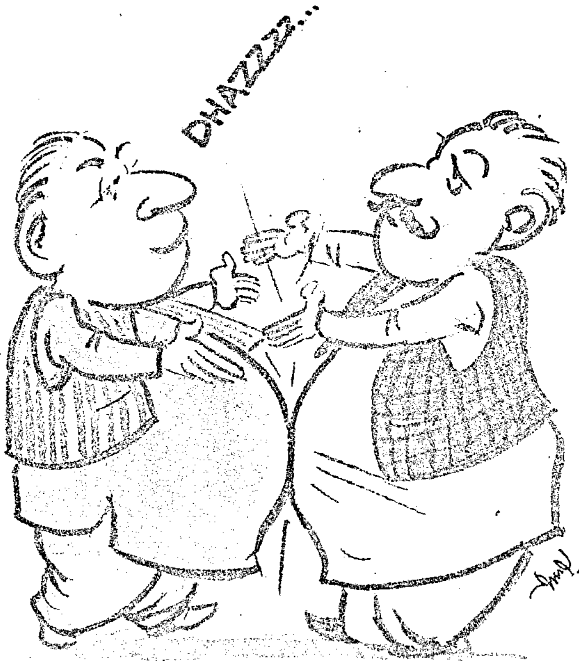
چائے کے ساتھ سکینڈل پسند کرتی ہے کہ اس سے چائے میں چینی ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہتی ہے "جوان وفادار ہونا چاہتا ہے مگر ہو نہیں سکتا اور بوڑھا بے وفا ہونا چاہتا ہے مگر ہو نہیں سکتا' یوں وہ بہانے بہانے خود کو جوان ثابت کرتی رہتی ہے۔"

اس کی اداسی بھی ایک ادا۔ سی ہی ہوتی ہے۔ پوچھو "محبت کیسے شروع ہوتی ہے؟" تو کہے گی "محبت م سے شروع ہوتی ہے۔" کسی نے کہا کہ میاں بیوی کے جھگڑوں میں ثالث بچے ہوتے ہیں تو کہنے لگی بالکل غلط' میاں بیوی کے جھگڑوں میں ثالث رات ہوتی ہے۔ کہتی ہے "مرد اور عورت کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے' عورت مرد سے سونا مانگتی ہے اور مرد بھی بدلے میں سونا ہی چاہتا ہے۔"

اس قدر بولتی ہے کہ صرف "نہیں" کہنے میں تین گھنٹے لگا دیتی ہے۔ البتہ "ہاں" کہنے میں سیکنڈ نہیں لگاتی۔ کہتی ہے' اب اتنی عمر کی نہیں رہی' جتنی پندرہ سال پہلے تھی' پانچ سال بڑی ہو چکی ہوں۔ صحافیوں سے ناراض رہتی ہے کہ یہ کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں۔ "بولی ایک بار میں نے کہا میرا چہرا دیکھ کر وقت رک جاتا ہے تو انہوں نے اگلے دن یہ چھاپ دیا کہ میں اپنے چہرے سے چلتا ہوا کلاک روک سکتی ہوں۔"

ایک دفعہ اس کے کسی پرستار نے سٹوڈیو سے لوٹتے ہوئے اس کا زبردستی ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے غصے سے کہا' "اگر تم نے آدھ گھنٹے کے اندر اندر میرا ہاتھ نہ چھوڑا تو میں پولیس کو بلا لوں گی۔" ہلی پھلکی کتابیں پسند کرتی ہے۔ کہتی ہے' ہلکی پھلکی ہوں تو انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں آسانی رہتی ہے۔ ایک دفعہ "ف" اسے ملنے گیا تو وہ ننگے پاؤں دروازہ کھولنے آئی۔ اس کے پاؤں ٹھوڑی تک ننگے تھے۔ کہتی ہے' "اگر کوئی اداکارہ کو لباس کے بغیر دیکھ کر خوش نہ ہو تو یقین کر لیں' وہ جیب کترا ہے۔" وہ دنیا کے ہر مرد سے محبت کرنا چاہتی ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتی ہے۔ صبح اٹھ کر جب تک میک اپ نہ کر لے خود اپنی شکل نہیں دیکھتی۔ کہتی ہے' "مجھے لپ اسٹک لگانے کے بیس طریقے آتے

ہیں۔" "ف" نے کہا "ہمیں تو ایک طریقے کا پتہ ہے' لپ اسٹک ہونٹوں پر ملو" تو بولی' "ایکس!" لپ اسٹک لگائے بغیر تو وہ ٹیلی فون پر بات نہیں کرتی۔ ایک بار اس کی والدہ اس قدر بیمار ہوئی کہ بستر پر چادر کی طرح بچھ گئی کسی نے کہا "اللہ سے دعا کرو۔ ان کی حالت سے تو لگتا ہے کہ موت کا فرشتہ آنا چاہتا ہے" اس نے فوراً متوجہ ہو کر پوچھا' "کون آنا چاہتا ہے؟ ذرا میری لپ اسٹک دینا۔"



عید ملنا

مرزا صاحب ہمارے ہمسائے تھے، یعنی ان کے گھر میں جو درخت تھا، اس کا سایہ ہمارے گھر میں بھی آتا تھا۔ اللہ نے انھیں سب کچھ وافر مقدار میں دے رکھا تھا۔ بچے اتنے تھے کہ بندہ ان کے گھر جاتا تو لگتا سکول میں آ گیا ہے۔ ان کے ہاں ایک پانی کا تالاب تھا جس میں سب بچے یوں نہاتے رہتے کہ وہ تالاب میں ۵۰۰ گیلن پانی بھرتے اور سات دن بعد ۵۵۰ گیلن نکالتے۔ وہ مجھے بھی اپنے بچوں کی طرح سمجھتے یعنی جب انہیں مارتے تو ساتھ مجھے بھی پیٹ ڈالتے، انہیں بچوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا سخت ناپسند تھا۔ حالانکہ ان کی بیگم سمجھاتیں کہ مسلمان بچے ہیں، آپس میں نہیں لڑیں گے تو کیا غیروں سے لڑیں گے۔ ایک روز ہم لڑ رہے تھے، بلکہ یوں سمجھیں رونے کا مقابلہ ہو رہا

تھا۔ یوں بھی رونا بچوں کی لڑائی کا ٹریڈ مارک ہے۔ اتنے میں مرزا صاحب آ گئے۔

"کیوں لڑ رہے ہو؟"

ہم چپ! کیونکہ لڑتے لڑتے ہمیں یہ بھول گیا تھا کہ کیوں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں خاموش دیکھا تو دھاڑے' "چلو گلے لگ کر صلح کرو۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ ہم ڈر کر ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اس بار جب میں نے عید پر لوگوں کو گلے ملتے دیکھا تو یہی سمجھا کہ یہ سب لوگ بھی ہماری طرح صلح کر رہے ہیں۔

عید کے دن گلے ملنا' عید ملنا کہلاتا ہے۔ پہلی بار اس دن انسان گلے ملا' جب خدا نے اسے ایک سے دو بنایا۔ یوں آج بھی گلے ملنے کا عمل دراصل انسان کے ایک نہ ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ عمل ہمیں دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتا ہے کہ وہ گلے پڑ تو سکتے ہیں' گلے مل نہیں سکتے۔

ہمارے ہاں عید ملنا' عید سے بہت پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ دکاندار گاہکوں سے کلرک سائلوں سے اور ٹریفک پولیس والے گاڑی والوں کو روک روک کر ان سے عید ملتے ہیں۔ بازاروں میں عید سے پہلے اتنا رش ہوتا ہے کہ وہاں سے گزرنا بھی عید ملنا ہی لگتا ہے۔ کچھ نوجوان تو لبرٹی اور بانو بازار میں عید ملنے کی ریہرسل کرنے جاتے ہیں۔

عید کے دن میں خوشبو لگا کر عید گاہ کا رخ کرتا ہوں۔ واپسی پر کپڑوں سے ہر قسم کی خوشبو آ رہی ہوتی ہے سوائے اس خوشبو کے جو لگا کر جاتا ہوں۔ عید مل مل کر وہی حال ہو جاتا ہے جو سومیٹر کی ھرڈل ریس جیتنے کے بعد ہوتا ہے۔ اوپر سے گوجرانوالہ کی عید ملتی مٹی ایسی کہ جب واپس آکر گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں تو گھر والے گردن نکال کر پوچھتے ہیں "جی! کس سے ملنا ہے؟"

سیاست دان تو عیدیوں ملنے نکلتے ہیں' جیسے الیکشن کمپین پر نکلے ہوں۔ جیتنے سے پہلے عید تو وہ آگے بڑھ کر ملتے ہیں اور جیتنے کے بعد عید مل کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سابق گورنر کا عید ملنے کا انداز نرالہ ہوتا تھا۔ ان کا حافظہ ہمارے ایک ادیب دوست جیسا تھا جو ایک ڈاکٹر سے اپنے مرض نسیان کا علاج کروا رہے تھے' دو ماہ کے مسلسل علاج کے بعد ایک دن ڈاکٹر نے پوچھا:

"اب تو نہیں بھولتے آپ؟"

"بالکل نہیں' مگر آپ کون ہیں اور یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

وہ سابق گورنر بھی عید پر معززین شہر سے عید ملنا شروع کرتے' ملتے ملتے

درمیان تک پہنچتے تو بھول جاتے کہ کس طرف کے لوگوں سے مل لیا اور کس طرف کے لوگوں سے ابھی ملنا ہے۔ یوں وہ پھر نئے سرے سے عید ملنے لگتے۔ ایسے ہی ایک صاحب تیز دریا عبور کرنے کی کوشش میں تھے مگر عین دریا کے درمیان سے واپس پلٹ آئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے' دراصل جب میں دریا کے درمیان پہنچا تو بہت تھک گیا تھا سو واپس لوٹ آیا۔

شاعر وہ طبقہ ہے جو خوشی غمی ہر دو موقعوں پر شعر سناتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سکھ کرپان کے بغیر' بنگالی پان کے بغیر اور شاعر دیوان کے بغیر گھر سے نہیں نکلتا۔ اس لئے شاعر عید ملنے کے لئے بھی مشاعرے ہی کرتے ہیں۔ یوں مشاعروں کو لفظوں کا عید ملنا کہہ لیں اگرچہ وہ ہوتی تو لفظوں کی ہاتھاپائی ہے۔

بچے پیار سے عید کو عیدی کہتے ہیں۔ اس لئے ان کو عیدی ملنا ان کا عید ملنا ہے۔ عورتیں بھی اکٹھی ہو کر عید ملتی ہیں' لیکن جہاں چار عورتیں اکٹھی ہوں وہاں وہ ایک دوسری سے نہیں' پانچویں سے خوب خوب ملتی ہیں۔ اور کوئی وہاں سے اٹھ کر اس لئے نہیں جاتی کہ جانے کے بعد وہاں بیٹھی رہنے والیاں اس سے "عید ملنا" نہ شروع کر دیں۔

عید کے روز امام مسجد سے عید ملنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مٹھی مولوی صاحب کی ہتھیلی پر یوں رکھیں کہ ان کے منہ سے جزاک اللہ کی آواز نکلے۔ چھوٹے شہروں میں نوجوانوں کی اکثریت سینما گھروں میں بھی عید ملنے جاتی ہے۔ بنک کے سامنے وہ عید ملن ہوتی ہے کہ جو سفید سوٹ پہن کر آتا ہے وہ براؤن سوٹ بلکہ کبھی کبھی تو کالے سوٹ میں لوٹتا ہے' اکثر بنیان میں بھی واپس آتے ہیں۔ عید ملنا وہ ورزش ہے جس سے وزن بہت کم ہوتا ہے۔ میرا ایک دوست بتاتا ہے کہ بیرون ملک میں نے عید پر سو پونڈ کم کئے۔



پابندی کی اوقات

میں وقت کا اس قدر پابند تھا کہ عین اس وقت دوسروں کے گھر پہنچتا، جب وہ کھانا شروع کرنے لگتے۔ لیکن جب سے میرے پروفیسر دوست ایک تقریب میں پابندی وقت پر تقریر کر کے لوٹے ہیں، میں نے اس پابندی سے آزادی کا اعلان کر دیا ہے۔

پروفیسر موصوف مقامی کالج میں لیکچرار ہیں۔ لیکچرار کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسروں کی نیند میں بولتا ہے۔ لیکن ہمارے پروفیسر صاحب کی کلاس میں تو کوئی نہیں سو سکتا۔ بہت بلند بولتے ہیں۔ جب وہ میرے کلاس فیلو تھے، تب بھی کلاس میں کسی کو سونے نہ دیتے۔ ان کے خراٹوں کی وجہ سے پاس سوئے ہوئے کی فوراً آنکھ

کھل جاتی۔ جب سے پروفیسر طاہر القادری صاحب نے لیکچرار اور پروفیسر کے فرق کو ختم کیا ہے' وہ بھی پروفیسر کہلانے لگے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ یہی نہیں خود کو پائے کا لیڈر بھی سمجھتے ہیں۔ یوں ہمارے ہاں چھوٹے پائے بڑے پائے کے لیڈر ہی ہیں بڑے سر کے لیڈر کم ہیں۔

انہیں ایک کونسلر نے پابندی وقت پر تقریر کرنے کے لئے اپنے محلے میں بلایا۔ پروفیسر صاحب اس قدر بااصول ہیں کہ ٹریفک کی سرخ بتی پر سائیکل کو لٹا کر کپڑے جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بتی سبز ہوتی ہے تو سائیکل پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں بتی پھر سرخ ہو جاتی ہے اور وہ وہیں لال پیلے ہوتے رہتے ہیں۔ اس قدر تیز چلتے ہیں کہ جب تک آپ رک نہ جائیں' آپ کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ چل رہے ہیں۔ بال بنانے میں اتنی دیر لگاتے ہیں جتنی امجد اسلام امجد' جو ہر بال سنوارنے میں آدھ منٹ لگاتے ہیں' یوں انہیں صرف بال سنوارنے میں دس منٹ لگتے ہیں جب کہ پروفیسر صاحب کو بھی لگتے تو دس منٹ ہی ہیں مگر یہ بال سنوارنے میں نہیں' بال ڈھونڈنے میں لگتے ہیں۔ شیو یوں آہستہ آہستہ کرتے ہیں کہ جتنی دیر میں شیو مکمل کرتے ہیں' اتنی دیر میں وہ دوبارہ اتنی ہی بڑھ چکی ہوتی ہے۔ "فارغ البال" ہونے کی وجہ سے انہیں منہ بھی دور تک دھونا پڑتا ہے۔ سو ابھی انہوں نے منہ دھونا شروع ہی کیا تو میں نے برین واشنگ شروع کر دی' یوں بھی برین واشنگ آج کل اتنی اہمیت حاصل کر گئی ہے کہ امریکہ میں ۹۴ فی صد گھرانوں میں ٹی وی سیٹ تو موجود ہیں مگر نہانے کے ٹب صرف ۹۱ فی صد گھرانوں میں ہیں۔ ویسے بھی میں اس قدر صفائی پسند ہوں کہ جس کے پیچھے پڑتا ہوں' ہاتھ دھو کر پڑتا ہوں۔ سو میں نے انہیں قائل کیا کہ بقول شیکسپیئر "تین گھنٹے پہلے جانا ایک منٹ دیر سے جانے سے بہتر ہے" کیونکہ وہ دیر کرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے یہ ان کی پیدائشی خوبی ہے۔ پیدا بھی دسویں مہینے ہوئے۔ شام کو تقریب سے لوٹے تو لوٹے کم اور لٹے زیادہ لگتے تھے' آکر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ حالانکہ مقرر' ڈاکٹر اور بیوی کی خاموشی کوئی اچھا شگون نہیں ہوتی سیاست دانوں کی تو نبض بھی نرس ۷۲ فی منٹ بتائے تو اس کا مطلب ہو گا "۷۲ الفاظ فی منٹ۔"

میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"بڑی بے عزتی ہوئی"

"کوئی نئی بات بتاؤ۔ تمہیں کہا تھا وقت پر نہیں پہنچو گے تو ایسا ہو گا۔"

"وقت پر پہنچا تھا اسی لئے تو بے عزتی ہوئی۔"

ہوا یوں کہ جب پروفیسر صاحب عین وقت پر جلسہ گاہ پہنچے تو جلسہ ابھی گاہ تک نہیں پہنچا تھا۔ جمعدار جھاڑو دے رہا تھا۔ ٹینٹ والے سامان اتار رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی موصوف کو نہیں پہچانتا تھا۔ سو انہوں نے کہا "ذرا صاحب! دوسری طرف سے پکڑنا' آپ ہی کا کام کر رہے ہیں۔" جب تک کونسلر صاحب آئے موصوف کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب تک کوئی باقاعدہ تعارف نہ کرواتا' یہ خود کو بھی نہ پہچان سکتے۔ اوپر سے شکل اللہ نے ایسی دی کہ ریلوے میں سفر کریں تو ٹکٹ چیکر سب سے پہلے ان کا ٹکٹ چیک کرتا ہے اور سمجھتا ہے اگر ان کے پاس ٹکٹ ہے تو ڈبے کے ہر مسافر کے پاس ہو گا۔ بہرحال انتظامیہ نے انہیں کرسی صدارت پر بٹھا بلکہ لٹا تو دیا مگر ساتھ ساتھ یہ بھی پوچھتے رہے کہ فارغ تھے جو بہت جلدی آگئے۔ ان کے خیال میں صدارت کے شوق نے پروفیسر صاحب کو اتنی جلدی وہاں پہنچوایا تھا۔

ویسے دیکھا جائے تو یہ ہے بھی ٹھیک' ہم آزاد قوم ہیں۔ پابندی چاہے وقت کی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی ہمارے سامنے کیا اوقات! دیر کرنے میں تو ہم ذرا دیر نہیں کرتے۔ سابق وزیر اعظم جونیجو تو ایسے تھے کہ شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے نکلتے تو ولیمے پر پہنچتے۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے بلکہ کل کا چھوڑا کام آج ہی کر لیتے۔ یوں دیکھا جائے تو آپ اکیلے جلدی کریں گے تو دیر تو ہو گی۔ اندھوں میں پہلے وہ گرتا ہے جسے تھوڑا نظر آتا ہے۔ آپ وقت کی پابندی کر کے زیادہ سے زیادہ وہ کام صرف ایک ہفتے میں کر لیں گے' جسے دوسری صورت میں پورے سات دن لگ جائیں گے۔

کہاوت ہے "دیر آید درست آید۔" اپنی آمد درست ثابت کرنے کا اب ایک ہی طریقہ ہے' دیر سے آئیں۔ جتنی دیر آپ دوسروں سے انتظار کراتے ہیں' دراصل اتنی دیر آپ ان سے اپنا ذکر کرواتے ہیں۔ اہم آدمی اس وقت آتا ہے جب سب آچکے ہوتے ہیں اور اس کی آمد کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ دیر سے آنا دراصل عام سے خاص ہونے کا عمل ہے۔ آپ دیر سے آکر کہیں کہ بہت مصروفیت تھی' صرف آپ کی خاطر چند منٹ نکال کر آیا ہوں۔ یوں انہیں اپنی اہمیت کا احساس دلائیں کہ جب تک آپ خود کو اہم نہیں سمجھیں گے' کوئی آپ کو اہم نہیں سمجھے گا۔



آدھا شیعہ

وہ شخص جس کے گھر والوں کے علاوہ شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ منیر احمد قریشی کون ہے؟ اور یہی وہ شخص کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ منو بھائی کون ہے؟ دیکھنے میں اس کا کچھ بھی اپنا نہیں لگتا' سر کسی بوڑھے کا' عینک کسی بڑھیا کی' چہرہ بھائی کا اور دل دوست کا۔ رنگ ایسا کہ گوروں میں کھڑا ہو تو گورا نہیں لگتا۔ کالوں میں کھڑا ہو تو کالا نہیں لگتا' جیسے میں بڑوں میں کھڑا ہوں تو کھڑا نہیں لگتا۔ لوگوں کا قلم زبان کی طرح چلتا ہے' اس کی زبان قلم کی طرح چلتی ہے یعنی فل اسٹاپ اور کومے لگاتی ہوئی۔ جس رفتار سے سوچتا ہے۔ اس سے آدھی سے بولتا ہے۔ جیسے کشور ناہید جس رفتار سے بولتی ہے' اس سے آدھی سے سوچتی ہے۔ کھانے کا اس قدر شوق ہے کہ

دوران گفتگو لفظ کھاتا رہتا ہے کالم نگاری کہے تو الم نگاری سنائی دیتا ہے۔ یہی نہیں "لیٹ آئیں گے" کہے تو لگتا ہے "لٹائیں گے" کہہ رہا ہے۔

پہلے دید شنید کے نام سے کالم لکھتا تھا۔ پھر اس سے توبہ کر لی۔ شاید رفیق ڈوگر کا دید شنید پڑھ لیا ہو گا۔ تب سے اپنا "گریبان" تھامے ہوئے ہے۔ اس کے عنوان کالم پر یوں کسے ہوتے ہیں جیسے زنانہ بدن پر لباس۔ مرنے والوں کے بارے میں کالم لکھ لکھ کر یہ عالم ہو گیا ہے کہ اب کسی زندہ کے بارے میں کالم لکھ دے تو تعزیتی جلسے کرنے والی انجمنیں اس شخص کو امید سے دیکھنے لگتی ہیں۔ انتظار حسین کہتا ہے: "منو بھائی کا کالم پڑھ کر بے اختیار مرنے کو دل چاہتا ہے۔" یہ ہے بھی ٹھیک۔ کئی لوگ اس کے کالم پر مرتے بھی ہیں۔ بقول جاوید شاہین "کسی دوست کی موت پر لکھتا ہے تو لگتا ہے جیسے منو بھائی وفات پا گیا ہے" اس کے قاری اسی اخبار کو خریدتے ہیں، جس میں اس کا کالم ہوتا ہے۔ یوں انہیں ہر ہفتے اخبار بدلنا پڑتا ہے۔ دوسروں کے دکھ میں خود کو اس قدر انوالو کر لیتا ہے کہ عزت کسی لڑکی کی لٹتی ہے، شرم کے مارے گھر سے یہ نہیں نکلتا۔ یہی نہیں، شادی کسی دوست کی ہوتی ہے، لوگ مبارک باد اسے دے رہے ہوتے ہیں۔ اسی کی سیریلز "جزیرہ" اور "جھوک سیال" اتنی پاپولر ہوئیں کہ ان کی وجہ سے کئی ٹی وی سیٹ بکے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے" اس کی حالیہ سیریز "خاموش" اور "جھیل" کی وجہ سے بھی کئی ٹی وی سیٹ بکے۔ میں نے خود اپنا ٹی وی بیچا۔"

شخصیت ایسی کہ جو اس سے نہیں ملا، وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے ملا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہے، جتنا اس کو ملنے والے اگر آپ اس کے گھر بغیر بتلائے چلے جائیں تو آپ کو دیکھ کر اس قدر حیران اور شرمندہ ہو گا جیسے وہ آپ کے گھر بغیر بتلائے آیا ہو۔ دیکھنے میں لگتا ہے بزرگ لڑکوں میں بیٹھا ہے۔ سننے میں لگتا ہے، لڑکا بزرگوں میں بیٹھا ہے۔ آپ ادیبوں شاعروں کے پاس پانچ منٹ بیٹھ جائیں (اگر بیٹھ سکتے ہیں) .... تو ان کی عمر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ جاؤ تو اپنی عمر کا پتہ نہیں چلتا۔ کبھی آپ پورا ہفتہ اسے ملیں گے اور وہ ایک بات نہ کرے گا اور کبھی ایک بات کر دے گا اور آپ اسے پورا ہفتہ نہیں ملیں گے۔

دودھ پیتے بچوں کی طرح رات کو جلد نہیں سوتا بلکہ رات کو اس وقت سوتا ہے جب دوسروں کے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے۔ حافظہ ایسا کہ اسے ہمیشہ یاد ہوتا ہے کہ کیا بھولنا ہے؟ دوستوں کی بات پر اس قدر یقین رکھتا ہے کہ اگر کوئی کہے منو بھائی

تمہارے پیٹ میں درد ہے تو وہ پیٹ کی بجائے ڈاکٹر کو دیکھے گا۔ تصویریں یوں کھنچواتا ہے جیسے مغل شہنشاہ کھنچواتے تھے۔ بس فرق یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ میں گلاب کی جگہ سگریٹ پکڑتے ہوتا ہے۔

منیر احمد قریشی نے سب سے پہلے مشاعرے میں جو شعر پڑھے، وہ اس کے اپنے نہیں تھے، شفقت تنویر مرزا کے تھے۔ اب بھی جو پڑھتا ہے، اس کے اپنے نہیں ہوتے، منو بھائی کے ہوتے ہیں۔ مشاعروں میں ہر بار پہلے والی نظم سناتا ہے۔ اکثر سننے والے بھی پہلے والے ہی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کے لئے نئی ہوتی ہے۔ دوستوں کے معاملات میں مع لات آجاتا ہے۔ مشورہ مانگو تو فوراً مشورہ دے دیتا ہے۔ کچھ اور مانگو تو پھر بھی مشورہ ہی دیتا ہے۔ یاور حیات کہتا ہے "منو بھائی وہ تالہ ہے جسے سب چابیاں لگ جاتی ہیں مگر صرف تالہ ہی کھلتا ہے"۔ آج کل گریبان میں اس کی تصویر کے ساتھ کوئے کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ بقول یوسف کامران: "منو بھائی نقلی چوکیدار بھی ہے اور کوا بھی۔" اور کوا چاہے بارہ برس بعد بولے پھر بھی کاں کاں ہی کرے گا۔ لیکن شریف کنجاہی نے کہا ہے، "اس کے لب کی بات سب کی بات ہے۔" وہ کچھ نہیں بدلتا۔ پرنسٹن کے سگریٹ پیتا ہے اور دھواں بھی پرنسٹن کا ہی چھوڑتا ہے۔

مخالف کی بات مان لیتا ہے بشرطیکہ وہ صنف مخالف ہو۔ جتنے اعتماد سے وہ بات دوسروں کی بیویوں کو کہہ دیتا ہے، اتنے اعتماد سے تو بندہ اپنی بیوی سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس کا نام ایسا ہے کہ اپنی بیوی بھی لے لے تو بیوی نہ رہے اور کوئی غیر لے لے تو غیر نہ رہے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں چہرے پر آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ پوچھو تم دوسری عورتوں کو کس نظر سے دیکھتے ہو تو کہے گا اپنی نظر سے دیکھتا ہوں۔ روحی بانو کو دنیا کی خوبصورت عورت سمجھتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلے نہ چلے کہ وہ خوبصورتی کو کیا سمجھتا ہے، یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ دنیا کو کیا سمجھتا ہے۔ اس کی پسندیدہ اداکارہ ٹرین ہے جو اس کے ہر ڈرامے کی ہیروئن ہوتی ہے۔ سب اسے مانتے ہیں اگر کوئی عورت کہے کہ میں منو بھائی کو نہیں مانتی تو یاد رہے اس کا اشارہ منو کی طرف نہیں بھائی کی طرف ہو گا۔ اسے ہیر اچھی لگتا ہے مگر اسے ہیر سننے کا کہو تو کہے گا ہیر کا تعلق سننے سے نہیں دیکھنے سے ہے، لیکن وہ ہیر کو دیکھ کر رانجھا نہیں بنتا وارث شاہ بن جاتا ہے۔



آدھا مرد

کئی برس پہلے کی بات ہے ایک لڑکی غم سے نڈھال سوجی آنکھوں کے ساتھ مال روڈ پر چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی: ”عزت لوٹنے والے درندوں کو موت کی سزا دی جائے۔“ کسی نے پوچھا ”یہ وہ لڑکی ہے جس کی عزت لوٹی گئی؟“ دوسرے نے کہا: ”نہیں' یہ تو پروین عاطف ہے۔“

پروین عاطف پوری پروین ہے نہ پورا عاطف' جب لڑکی تھی تو دو لڑکیوں کے برابر تھی اور اب آدھا مرد ہے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں ایک عورت آدھے مرد کے برابر ہوتی ہے۔ مردوں کے ساتھ مردوں کی طرح ملتی ہے۔

وہ دیکھنے میں پروین عاطف کی ملازمہ لگتی ہے۔ سفرنامہ نگار' افسانہ نگار'

مقرر، سوشل ورکر، خواتین ہاکی ٹیم کی روح رواں یہی نہیں اس کا ایک قدم ترقی پسند خواتین کی تحریک میں بھی ہے۔ یوں وہ بڑی شش پایہ شخصیت ہے۔ محقق بھی ہے، ہر کام کے لئے باقاعدہ تحقیق کرتی ہے۔ اسے تو یہ جاننے کے لئے کہ اس کے کس ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں ہیں، باقاعدہ تحقیق کرنا پڑتی ہے۔

عمر کے مقابلے میں پہلے مجھ سے پچیس سال بڑی تھی، اب صرف بارہ سال بڑی ہے۔ جوانی میں اپنے کالج کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ ان دنوں لڑکیوں کو پڑھانے کا کس قدر کم رواج تھا۔ جوانی میں اتنی پرکشش تھی کہ جو بھی ان کے گھر رشتے کے لئے لڑکا دیکھنے آتا، اسے فوراً پسند کر لیتا۔ ساری زندگی دوسروں کے بارے میں سوچتی رہی، اپنے بارے میں سوچنے کا موقع نہ ملا۔ سو اپنے بارے میں جو کیا بغیر سوچے سمجھے کیا۔ اسے مٹر گوشت اور مٹر گشت بہت پسند ہے۔ دیکھنے میں سپورٹ وومین لگتی ہے یعنی دیکھ کر اس کی سپورٹ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ عورت اتنا دنیا کو نہیں دیکھتی، جتنا دنیا اسے دیکھتی ہے مگر اس نے بڑی دنیا دیکھی۔ ظلم کو روکنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اگر کوئی طیارہ بغداد پر حملہ کرنے نکلتا ہے تو یہ اس کا راستہ روکنے کے لئے مال روڈ کی ناکہ بندی کر دیتی ہے۔

محبت میں محبوبہ نہیں، ملازمہ بن جاتی ہے۔ کہو پیاس لگی ہے تو پورا سمندر کٹورے میں بھر لائے گی، یہی نہیں پورا سمندر پلا کے بھی چھوڑے گی۔ اس نے حمید اختر، مسرت نذیر اور کئی لوگوں کی شادیاں کروائیں، لیکن مشورے ہمیشہ لڑکوں کو دیتی لڑکیوں کو اس لئے نہ دیتی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ لڑکیوں کی شادیاں ہو جائیں۔

حافظہ اپنے بھائی احمد بشیر کی طرح۔ ایک بار مسز احمد بشیر نے گھر بدلنا تھا۔ اس نے نئے گھر کا ایڈریس لکھ کر احمد بشیر کی جیب میں ڈال دیا اور کہا کہ شام تک شفٹنگ ہو چکی ہو گی۔ احمد بشیر نے دفتر آکر جیب میں یہ ایڈریس دیکھا تو ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ میری جیب میں کس کا پتہ ہے؟ شام کو واپس پرانے گھر آیا تو پتہ چلا کہ سامان تو نئے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے۔ پوچھتے پچھاتے ایک گلی میں گیا وہاں بچیاں کھیل رہی تھیں ان سے پوچھا "تمہیں پتہ ہے کہ نئے کرائے دار احمد بشیر کس گھر میں آئے ہیں" تو بچیوں نے کہا "اس گلی میں چوتھا مکان ہے ابو.............!

پروین کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی، اس لئے بہت کم آئینہ دیکھتی ہے۔ جب لکھتی ہے تو دوسروں کو دکھا دکھا کر کہتی ہے: "میری پہلی پہلی کوشش ہے، دیکھیں بات

بنی بھی ہے یا نہیں؟" پہلے بچے کی پیدائش پر بھی یہی کیا۔ سوچتے بھول جاتی ہے کہ کیا سوچ رہی تھی۔

گھر میں اس قدر خوشحالی ہے کہ ہر کسی کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرہ، ہر چیز الگ بلکہ اس کے تو ہر پاؤں کے جوتے الگ الگ ہوتے ہیں۔ چلتی ہوئی لگتی ہے نیند میں چل رہی ہے بلکہ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ نیند بھی ساتھ چل رہی ہے۔ مردوں کی توجہ سے نروس نہیں ہوتی بے توجگی سے ہوتی ہے۔ تنقید برداشت نہیں کر سکتی نقاد برداشت کر لیتی ہے۔ اس کی تحریر کے بارے میں سب سے بری رائے اگر کسی کی ہے تو وہ اس کی اپنی ہی ہو گی۔ پوچھو "آپ دائیں بازو کی لکھنے والی ہیں یا بائیں بازو کی" تو کہے گی "میں تو دائیں بازو سے ہی لکھتی ہوں۔" اللہ نے اسے معمولی کام کرنے کے لئے غیر معمولی صلاحیتیں دی ہیں۔

کوئی نقصان ہو جائے تو غلطی ہمیشہ اپنی نکالے گی وہ پیدل چلتی ہوئی کسی کار سے ٹکرا جائے تو گھر آکر افسوس کرے گی کہ میں نے کار کو سائیڈ کیوں ماری؟ سمجھتی ہے دو بے وقوف مل کر ایک عقلمند بن سکتا ہے۔ حالانکہ دو بے وقوف ایک بے قوف سے زیادہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتی ہے۔ گھر میں اگر کسی کا پرس نہ ملے تو وہ نوکرانی سے کہے گی "دیکھنا پروین عاطف کے کاندھے پر نہ لٹکا ہو۔"

اپنی تحریروں کو سنبھال کر نہیں رکھتی، چاہتی ہے تحریریں اسے سنبھال کر رکھیں۔ کام اس قدر انہماک سے کرتی ہے کہ ارد گرد کو بھول جاتی ہے کبھی کبھی تو اسے قدر مصروف ہوتی ہے کہ یہ بھی بھول جاتی ہے کہ کیا کر رہی ہے۔؟

گھر میں کوئی اور بیمار ہو تو پھر بھی باہر سے آنے والے اکثر اسی کی عیادت کرنے لگتے ہیں۔ چار بچے پیدا کئے۔ شاید اسے پتہ چل گیا ہو گا کہ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر پانچواں بچہ چینی ہوتا ہے اور چینی بچے خوبصورت نہیں ہوتے۔ جوانی میں اکثر اسے سر درد رہتا۔ ڈاکٹر اس کے سر کا معائنہ کرتے مگر انہیں وہاں کچھ نہ ملتا۔ جس بات کا پتہ ہو وہ تو سب عورتوں کو بتا ہی دیتی ہے اسے جس بات کا نہ بھی پتہ ہو وہ بھی سب کو بتا دیتی ہے۔

بچوں کو اپنا دوست اور دوستوں کو اپنا بچہ سمجھتی ہے ایک دن کہنے لگی، "عورتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا "جو عورتوں کی مردوں

کے بارے میں ہے" تو کہنے لگی' "مجھے پہلے ہی پتہ تھا تم عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔"

پچھلے دنوں مال روڈ پر ایک عورت جو بولنے سے پہلے کانپتی اور بولتی تو سننے والے کانپ اٹھتے' چولھا پھٹنے سے مرنے والی نوبیاہتا لڑکی کے سسرال کے خلاف احتجاج کر رہی تھی۔ کسی نے پوچھا' "یہ عورت اس لڑکی کی ماں ہے؟" دوسرے نے کہا "نہیں! یہ پروین عاطف ہے۔"



سپر ہٹ ہیروئن

میرے ایک دوست نے پوچھا کہ ہماری وہ بین الاقوامی ہیروئن کونسی ہے جس کے بارے میں سب سے زیادہ لکھا گیا؟ اگر ہیرو کا پوچھا ہوتا تو بات واضح تھی کہ سلطان راہی ہمارا وہ بین الاقوامی ہیرو ہے جسے لڑائی اور ایکشن کے لئے ڈپلیکیٹ کی ضرورت نہیں پڑتی' البتہ یہ دنیا کا واحدہ ہیرو ہے جسے لوسین کے لئے ڈپلیکیٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں چپ رہا تو اس نے بتایا "وہ ہیروئن جس کے بارے میں آج تک سب سے زیادہ لکھا گیا' جس پر کئی ڈرامے ہوئے' کئی فلمیں بنیں' جس پر روز سیمینار اور مذاکرے ہوتے ہیں یہ وہ ہیروئن ہے جو پتلون میں نہیں پڑی میں ہوتی ہے۔ وہ چیچو کی ملیاں میں بھی نظر آئے تو اخبارات اسے وہی پذیرائی دیتے ہیں جو اسے

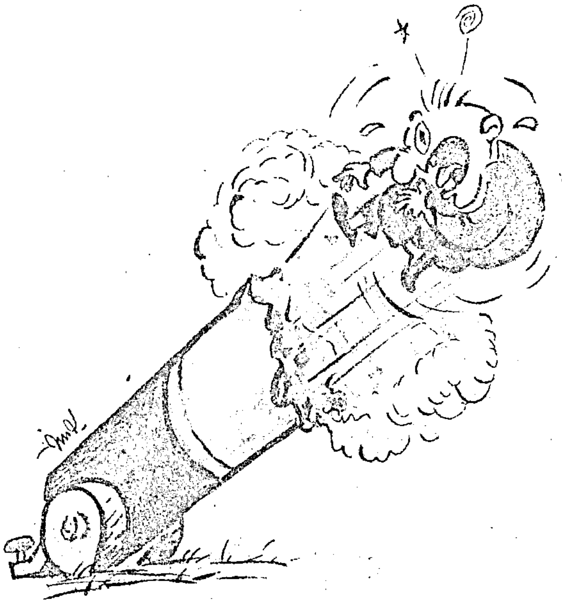
نیویارک میں دیتے ہیں۔ جب وہ پکڑی جائے تو چاہے سو روپے کلو ہی میں خریدی گئی ہو مگر صبح کے اخبار میں خبر چھپے گی تو اس کی قیمت بین الاقوامی منڈی کے حساب سے درج ہو گی تاکہ مقامی لوگوں میں اس کی قدر و "قیمت" میں اضافہ ہو۔

اس ہیروئن پر جتنے لوگ فدا ہیں دنیا کی کسی ہیروئن کے مقدر میں یہ نہیں۔ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اتنا کنجوس تھا کہ ہنی مون منانے کے لئے بنکاک گیا تو اس میں بھی یہ بچت کی کہ بیوی کو ساتھ لے کر نہ گیا تاکہ ایک بندے کا خرچہ بچے' مگر اس کی خاطر خود خرچ ہو گیا۔ اس کا منہ اتنا بڑا تھا کہ وہ اپنے کان میں سرگوشی کر سکتا تھا مگر پڑی لے لے کر اب تو اس کے منہ کی بھی پڑی سی بندھ گئی ہے۔ اب تو اس کی تصویر دیکھ رہے ہوں تو لگتا ہے ایکسرے دیکھ رہے ہیں۔ ہر گھنٹے بعد ہیروئن کا سگریٹ پیتا ہے جس میں ۵۹ منٹ سگریٹ مانگنے کے ہوتے ہیں۔ نام پوچھو تو وہ بھی ساتھ والے سے مشورہ کرنے کے بعد بتائے گا۔ کہتا ہے' "ایسی کوئی بات نہیں میری تو بلی تک اپنا نام بتا سکتی ہے۔" "تمہاری بلی اپنا کیا نام بتاتی ہے؟" ہم نے پوچھا تو بولا "میاؤں۔" گھر کی چیزیں بیچنے لگا تو گھر والوں نے قیمتی چیزیں وہاں رکھنا شروع کر دیں جہاں جانے سے ڈرتا ہے۔ یوں اب ساری قیمتی چیزیں غسل خانے میں ہیں۔ پہلے گیند دیوار پر مارتا تھا آج کل دیوار گیند پر مارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی حرکتوں کی وجہ سے والدین کے پاؤں تلے سے زمین سرک کر سر تلے آ گئی۔

سگریٹ پینے سے آدمی کی عمر کم ہوتی ہے اور ہیروئن پینے سے اس کے پورے خاندان کی عمر کم ہو جاتی ہے۔ ہیروئن کے پہلے سگریٹ کو شعلہ دکھانا دراصل ماں کے دوپٹے کو شعلہ دکھانا ہے۔ البتہ بعد کے سگریٹ میں یہ نہیں ہوتا کیونکہ بعد میں ماں کے سر پر دوپٹہ ہوتا ہی نہیں۔ "چین سموکر" وہ ہوتے ہیں جن کے پاؤں میں نہیں منہ میں چین پڑی ہوتی ہے۔ وہ اس قدر گر جاتے ہیں کہ ان کو زمین کی سطح کے برابر لانے کے لئے ان پر مٹی ڈالنا پڑتی ہے۔ والٹر ریلیگ کی طرح جسے محبوبہ کو کیچڑ سے گزارنے کے لئے اپنا کوٹ اس کی راہ میں بچھانا پڑا۔ یہ بھی کیچڑ میں محبوبہ کے لئے اپنا کوٹ بچھا سکتے ہیں' بس فرق یہ ہوتا ہے کہ خود بھی کوٹ میں ہوتے ہیں۔ یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ایسے چار پانچ نشئیوں نے رات کو ایک دروازہ کھٹکھٹایا' ایک خاتون باہر نکلی تو اسے کہا: "محترمہ! آپ ہم میں سے اپنا خاوند پہچان لیں تاکہ باقی اپنے گھروں کو جا سکیں۔" اتنے ست کہ ایک لقمہ کھانے میں پانچ منٹ لگاتے ہیں جس میں چار منٹ اپنا منہ ڈھونڈنے کے ہوتے ہیں۔ یہ تو گھر سے بہن کے جہیز کا سامان لینے نکلیں تو جب

واپس آتے ہیں' دروازہ اس بہن کی بیٹی کھولتی ہے۔ اپنی بیوی تک کو اس وقت ملتے ہیں جب پیسے نہ ہوں۔ اس کے مرنے پر ان کے گھر والے اتنے آنسو نہیں بہاتے جتنے ان کے جینے پر بہاتے ہیں۔

ہمارا قانون تو وہ مچھر دانی ہے جس میں سے چھوٹا مچھر تو نہیں گزر سکتا مگر بڑا مچھر آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہیروئن کا کوئی نام نہ لے تو اس کا نام بدل دیں یوں بھی یہ وہ ہیروئن ہے جو ہیرو نہیں زیرو بناتی ہے۔ یوں آپ اسے ہیروئن نہیں زیروئن کہیں۔ جہاں تک پینے والوں کا تعلق ہے تو شاید جے ارنسٹ نے انہیں کے لئے کہا ہے: اے آقا............ اگر کوئی آقا ہے تو............ میری جان بچا............ اگر میری جان ہے تو............"



کچھ سگریٹ کے بارے میں

سائنس دانوں نے اپنی طرف سے یہ بری خبر سنائی ہے کہ ہر بڑے شہر کی ہوا میں ایک دن سانس لینا دو پیکٹ سگریٹ پینے کے برابر ہے۔ حالانکہ اس سے اچھی خبر اور کیا ہو گی کہ ہم مفت میں روزانہ دو ڈبی سگریٹ پیتے ہیں۔ مجھے تو گاؤں کی صاف فضاؤں میں رہنے والوں سے ہمدردی ہے جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ بس اگر کوئی ڈر ہے تو وہ یہ ہے کہ کہیں حکومت بڑے شہروں میں سانس لینے پر ٹیکس نہ لگا دے۔ جلد ایسا وقت آجائے گا کہ گھر سے نکلتے وقت لوگ یہ بتا کر جایا کریں گے کہ دو کش انار کلی کے لگانے جا رہے ہیں۔ یہی نہیں کوئی پوچھے گا کہ آپ کو لاہور آئے کتنی دیر ہوئی تو دوسرا جواب دے گا، ''آدھی ڈبی ہو گئی، ایک ڈبی اور قیام کرونگا۔''

سگریٹ پینے سے جو مالی نقصان ہوتا تھا وہ بھی نہیں ہوگا۔ میرے ایک جاننے والے نے سگریٹ نوشی سے پیسے بچانے کا یہ طریقہ نکالا تھا کہ وہ ہمیشہ سگریٹ سے سگریٹ سلگاتا یوں ماچس کا خرچ بچتا۔ اس سے پہلے ایک سردار جی بھی ایسا کر چکے تھے کہ اس طرح ماچسوں پر رقم ضائع نہیں ہوتی کیونکہ سردار جی کو لائٹر جلانے کے لئے کئی ماچسیں جلانا پڑتی تھیں۔

سگریٹ ہے کیا؟ کاغذ کی ایک نلی جس کے ایک سرے پر شعلہ اور دوسرے پر ایک نادان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں سگریٹ کے دوسرے سرے پر جو راکھ ہوتی ہے دراصل وہ پینے والے کی ہوتی ہے۔ ایش ٹرے وہ جگہ ہے جہاں آپ یہ راکھ اس وقت ڈالتے ہیں جب آپ کے پاس فرش نہ ہو۔ ویسے تو سگریٹ پینے والے کے لئے پوری دنیا ایش ٹرے ہی ہوتی ہے بلکہ ہوتے ہوتے یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ سگریٹ منہ میں رکھ کر سمجھتا ہے ایش ٹرے میں رکھا ہے۔ رڈیارڈ کپلنگ کہتا ہے کہ ایک عورت صرف ایک عورت ہوتی ہے جبکہ اچھا سگار بس دھواں ہوتا ہے۔ دنیا کا سب سے مہنگا سگریٹ آپ کا پہلا سگریٹ ہوتا ہے' بعد میں سب سستا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پینے والا بھی۔

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے پانچ سال کی عمر میں سگریٹ شروع کئے اب ساٹھ برس کا ہو گیا ہوں مگر اتنا ہی طاقتور ہوں جتنا سگریٹ پینے سے پہلے تھا۔ میں نے پوچھا "کیسے؟" کہنے لگا "وہ جو سامنے پتھر پڑا ہے سگریٹ پینے سے پہلے بھی میں اسے نہیں اٹھا سکتا تھا اب بھی نہیں اٹھا سکتا یعنی مجھ میں اب بھی اتنی ہی طاقت ہے جتنی پہلے تھی۔" کہتا ہے "سگریٹ پینے سے عمر کم ہوتی ہے سو اگر میں سگریٹ نہ پیتا تو میری عمر ساٹھ کی بجائے نوے برس ہوتی" میں نے کہا' "سگریٹ تو گدھے بھی نہیں پیتے۔" کہنے لگا "ہاں گدھے سگریٹ نہیں پیتے" اب تو وہ سگریٹ منہ میں لگا کر اسے جلانا بھول جاتا ہے اس میں اتنی پریشانی نہیں' پریشانی یہ ہے کہ کبھی سگریٹ جلاتے وقت سگریٹ منہ میں ڈالنا بھول جاتا ہے۔ بہرحال یہ مانتا ہوں کہ بوڑھوں کا سگریٹ پینا دراصل ورزش کرنا ہی ہے۔ پہلے کش پر وہ کھانسی شروع ہوتی ہے کہ منٹ میں جوڑ جوڑ کی بیٹھے بیٹھے ورزش ہو جاتی ہے۔

مارک ٹوئن نے تو سگریٹ کم کرنے کا یہ حل نکالا تھا کہ اصول بنالیں کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ سگریٹ نہیں پئیں گے۔ ویسے دوستوں رشتہ داروں کے سگریٹ کم کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ ان کی ڈبی سے سگریٹ نکال کر پینے

لگیں' کچھ تو کم ہوں گے۔ البتہ نئی نسل کو اس سے بیزار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سگریٹ پینا نصاب میں شامل کر دیا جائے۔ تاہم جو شادی شدہ اسے چھوڑنا چاہتے ہیں وہ سگریٹ کی ڈبی میں بیوی کی تصویر رکھا کریں۔ میرے ایک دوست نے سگریٹ نوشی چھوڑنے کا وعدہ کیا۔ اگلے روز آکر کہنے لگا کہ میں نے آدھا وعدہ پورا کر دیا ہے باقی آدھا رہ گیا ہے۔ میں نے پوچھا "کیسے؟" کہنے لگا "تم سے سگریٹ نوشی چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا نوشی کو چھوڑ دیا۔ سگریٹ رہ گئے وہ بھی چھوڑ دوں گا۔" ویسے اس کے سگریٹ چھوڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ قسم کھائے کہ آئندہ کبھی کسی سے سگریٹ نہیں مانگے گا۔

انگریز ہم پر سگریٹ کے زور پر حکومت کر گئے کیونکہ پہلے حقہ تھا۔ سب لوگ اس کے گرد ہالہ بنا کر بیٹھتے اور ایک ہی حقہ یوں مل کر پیتے کہ لگتا یہ ایک ہی جسم کے مختلف منہ ہیں۔ مگر انگریز نے انہیں سگریٹ تھما کر علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ سگریٹ بڑوں کی چوسنی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم چوس رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں چوس رہی ہوتی ہے۔ سگریٹ پینا دراصل اپنے سانس پینا ہے۔ مجھے تو سگریٹ کا دھواں اتنا برا لگتا ہے کہ جب کوئی میرے پاس سگریٹ پیتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے اسے صاف صاف سنا دوں مگر اس لئے منہ نہیں کھولتا کہ کہیں یہ دھواں اندر نہ چلا جائے۔ میں تو اس حق میں ہوں کہ دھواں دینے والے رکشوں اور مردوں کا چالان ہونا چاہئے۔ میرا ایک دوست ان باتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ کہنے لگا۔ "میں ابھی سگریٹ ختم کرتا ہوں۔" اور وہ اس وقت میرے سامنے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا ہے تاکہ اسے جلدی جلدی ختم کر سکے۔



وائٹ پیپر

"تم وائٹ پیپر پر کیوں نہیں لکھتے؟"
"میں تو ہمیشہ وائٹ پیپر پر لکھتا ہوں خود اردو بازار سے خرید کر لاتا ہوں۔"
"میں اصغر خان والے وائٹ پیپر کا کہہ رہا ہوں۔"

اصغر خان کاغذ کے کاروبار میں کیسے آئے اگر انہوں نے وائٹ پیپر نکال بھی لیا ہے تو نواز شریف ایکسٹرا وائٹ پیپر نکال لے گا۔"

مارشل لاء کے دنوں کی بات ہے' ڈینٹل ڈاکٹر کے کلینک پر سیاست دانوں کا بڑا رش رہتا کہ وہ واحد شخص تھا جو انہیں کہتا "منہ کھولیں۔" ان دنوں ایک ڈسپنسر بھاگتا بھاگتا اس ڈاکٹر کے پاس آیا اور کہا "سر! عجب ہو گیا کہ اس دور میں بھی ایسا

مریض آیا ہے جس کا منہ بند نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر نے کہا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ اصغر خان ہو گا۔"

لفظ "لیڈر" اس وقت تک نہیں بنتا جب تک اس میں ڈر نہ آئے اور وہ لیڈر جو ڈر کے بغیر بنے اسے اصغر خان کہتے ہیں۔ خود کو ریٹائرڈ ایئر مارشل لکھتا ہے مگر اس کو ملنے کے بعد لگتا ہے کہ ریٹائر صرف ایئر ہوئی ہے مارشل نہیں۔ اصغر خان وہ ہوا باز ہے جسے جتنے حادثے پیش آئے سڑک پر آئے۔ پی این اے' ایم آر ڈی اور پی ڈی اے' اتنے اتحاد بنائے کہ پوری اے پی سی ختم کر دی۔ جس دروازے پر Pull لکھا ہو' اسے بھی Push سے کھولتا ہے۔ یہاں پل سے مراد سہالے کا پل نہیں۔

ہمارے ہاں سیاست میں لوگ وردی اتار کر کم ہی آتے ہیں' کیونکہ کہتے ہیں ایک دفعہ ایک فوجی کو شیر کھا گیا۔ اس کی وجہ جاننے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی جس نے اپنی رپورٹ میں جو وجہ بتائی وہ یہ تھی کہ اسے اس لئے شیر کھا گیا کہ وہ سادہ کپڑوں میں تھا۔ مگر اصغر خان سادہ کپڑوں میں سیاست میں آیا اور شیر کو کھا گیا۔ طبیعت ایسی ہے کہ اگر وہ محمود غزنوی ہوتا تو سترھواں ہوائی حملہ پہلے کرتا باقی سولہ بعد میں۔

ذہن ایسا کہ جسے ایک بار دیکھ لے کئی سال بعد بھی پہچان لیتا ہے۔ بلکہ جسے پہلے نہ بھی دیکھا ہو اسے بھی دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔ اس کا حلقہ انتخاب ہمیشہ ہلکا انتخاب ہوتا ہے جس کو الیکشن میں جتانا چاہے اس کے خلاف اپنے کاغذات نامزدگی جمع کرا دیتا ہے۔ وعدے کا پکا مگر اس نوجوان کی طرح جس نے اپنی محبوبہ سے کہا کہ اگر میری شادی تم سے نہ ہوئی تو میں مرجاؤں گا اور وہ سچ مچ ساٹھ سال کی عمر میں مر گیا۔ سنا ہے وہ ایک جگہ تقریر کر رہے تھے "میں وطن کا سپاہی تھا' سپاہی ہوں اور سپاہی رہوں گا" تو پیچھے سے آواز آئی "ترقی نہ کرنا!"

ان کا بیٹا عمر اصغر خان دراصل کم عمر اصغر خان ہے۔ کوئی انہیں کہے "اللہ عمر دراز کرے" تو سمجھتے ہیں بیٹے کے لمبے ہونے کی دعا دی ہے۔ وہ سیاست کا F-16 ہے یہاں اس سے مراد سولہ فیل نہیں۔ بینجمن فرینکلن نے کہا ہے کہ جب کوئی سیاسی کالم نگار کہتا ہے "ہر سوچنے والا آدمی" تو اس سے مراد خود ہوتا ہے اور جب سیاستدان کہتا ہے کہ "ہر باشعور ووٹر" تو اس سے مراد وہ ووٹر ہوتا ہے جو اسے ووٹ دیتا ہے اور یوں اصغر خان نے ثابت کر دیا کہ پاکستان میں باشعور ووٹر بہت کم ہیں۔ بقول نوابزادہ نصراللہ خان' "قائد استقلال" کو اللہ نے سب کچھ دیا ہے' نہیں دیا تو استقلال نہیں دیا۔" پارٹی کو یوں چلاتے ہیں جیسے ہوائی جہاز چلا رہے ہوں۔ اگرچہ ان کا پہلے

والا دبدبہ اب دب دبا گیا ہے مگر پھر بھی وہ کسی بھی انتخابی حلقے سے الیکشن جیت سکتے ہیں بس ایک شرط ہے کہ وہ خود اپنے مخالف کھڑے ہوں۔

جہاں تک وائٹ پیپر کا تعلق ہے ایک بار امریکی فوج کے ڈپٹی کمانڈر جنرل کلارک کوریا میں لیکچر دے رہے تھے لیکچر دیتے ہوئے انہوں نے ایک لمبا لطیفہ سنانا شروع کر دیا۔ ترجمان نے صورت حال دیکھی تو ایک جملے میں اس کا ترجمہ کیا اور سامعین قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ جنرل کلارک بڑا پریشان ہوا طویل لطیفہ ایک جملے میں کیسے آگیا اور پھر لوگ اس پر اتنے ہنسے کیسے؟ اس نے ترجمان سے پوچھا تو اس نے کہا "سر! مجھے خدشہ تھا کہ لوگ اس طویل لطیفے سے محظوظ نہ ہو سکیں گے سو میں نے کہہ دیا کہ حضرات جنرل صاحب نے ابھی ابھی ایک لطیفہ سنایا ہے۔ ازراہ کرم آپ سب لوگ ہنس دیں۔" سو حضرات ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان نے نئے الیکشن کا مژدہ سنایا ہے' سو فوراً پتہ کریں کہ اس بار انہوں نے کس حلقے سے کھڑے ہونا ہے اور وہاں سے آپ کاغذات نامزدگی جمع کرا کے اپنی کامیابی یقینی بنائیں۔



عمران خان کی شادی پر پابندی

وہ لڑکیاں جو کبھی عمران خان سے شادی کے خواب دیکھا کرتی تھیں' اب بھی شادی کے خواب دیکھتی ہیں مگر اپنے پوتے پوتیوں کی شادی کے۔ لیکن خان صاحب ابھی تک چھکے لگا رہے ہیں' بلکہ اب تو چھکے چھڑانے بھی لگے ہیں۔ شادی سے اس نیازی کی بے نیازی کا تو پہلے ہی سب کو علم تھا مگر حالیہ ٹی وی انٹرویو میں موصوف نے ہماری شادیوں پر بھی دس سال کے لئے پابندی لگا دینے کو کہا ہے۔ حالانکہ ہم جیسوں کی زندگی میں شادی ہی ایک ایسا موقع ہے جب ہم مہمان خصوصی ہوتے ہیں اور لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ

ایسے ویسے کیسے کیسے ہو گئے
کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے

جوانی میں شادی ہو تو سارا محلّہ خوش ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں ہو تو صرف محلّ ہی خوش ہوتا ہے۔ پھر شادی کے باعث مرد کو خدا بننے کا موقع ملتا ہے۔ اسے مجازی خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی خدا کی طرح سنتا تو سب ہے' مگر بولتا نہیں۔ یہی نہیں ہمارا ایک جاننے والا اتھیسٹ تھا۔ کہتا "جہنم کا کوئی وجود نہیں"۔ لیکن شادی کے بعد قائل ہو گیا کہ وہ غلطی پر تھا۔

تمام مرد آزاد اور باختیار پیدا ہوتے ہیں مگر ان میں سے کچھ شادی کر لیتے ہیں۔ ویسے عمران خان نے یہ واضح نہیں کیا کہ کون سی شادی پر پابندی لگانی چاہئے کیونکہ جتنی شادیاں شادی شدہ کرتے ہیں' اتنی کنوارے نہیں کرتے۔ یوں بھی آپ نے کسی کنوارے کو تیسری یا چوتھی شادی کرتے نہ دیکھا ہو گا۔ ویسے میرے ایک جاننے والے نے تیسری شادی کے بعد توبہ کر لی کہ آئندہ شادی نہیں کرے گا۔ وجہ یہ بتاتا ہے کہ شام کو میری بیوی میرے پاؤں سے جوتے اتارتی ہے۔ جرابیں بھی اتارتی ہے۔ میں نے پوچھا "اس وقت جب تم شام کو گھر لوٹتے ہو؟" کہنے لگا "نہیں اس وقت جب میں باہر جانے لگتا ہوں اور پھر وہ مجھے کتاب سمجھ کر پڑھتی رہتی ہے"۔ میں نے کہا "بظاہر تو اس میں کوئی برائی نہیں"۔ کہنے لگا "اس میں کوئی برائی نہیں بشرطیکہ وہ اتنا بلند نہ پڑھے کہ سارے محلے کو سنائی دے"۔

مغرب ہم سے بہت آگے ہے ہم نے اسے بہت آگے لگا رکھا ہے لیکن وہ شادی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسے بڑا فروغ دے رہے ہیں۔ ہالی وڈ میں تو شادی کی تصویریں پولارائیڈ کیمرے سے کھینچتے ہیں تاکہ یہ نہ ہو جب تک جوڑے کی اکٹھی تصویریں دھل کر آئیں' علیحدگی ہو چکی ہو۔ پچھلے دنوں وہاں کی ایک اداکارہ نے شادی کی سلور جوبلی منائی تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ پتہ کیا کہ واقعی اس کی شادی کو پچیسواں سال ہے تو جواب ملا "نہیں یہ اس کی پچیسویں شادی ہے"۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ عمران خان نے یہ بھی سوچا ہو کہ شادی پر بہت خرچ آتا ہے لیکن میں نے شادی شدہ شخص سے پوچھا' "بھئی شادی پر کتنا خرچ آتا ہے؟" کہنے لگا' "پتہ نہیں کیونکہ میں تو ابھی تک ادا کر رہا ہوں"۔ دراصل شادی دو دلوں اور دو دماغوں کی یونین کا نام ہے اور بندہ ساری زندگی اس کے لئے یونین فنڈ اکٹھا کرتا رہتا ہے۔

جب آدمی شادی کرتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ اصل خوشی کیا ہے؟ یہ الگ

بات ہے کہ تب دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ ویسے جہاں تک مجھے علم ہے آج تک کسی عورت نے شادی پر پابندی کا مطالبہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں کسی عورت سے شادی نہیں کرنا پڑتی۔ عورت کی پوری زندگی شادی کے گرد گھومتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کوئی خاتون عمران خان کے اس بیان سے مشتعل ہو کر اسے عمر بھر کے لئے سبق سکھانے کی کوشش کرے حالانکہ اس کام کے لئے بھی اسے اس سے شادی ہی کرنا ہو گی۔ مجھے ایک خاتون خانہ نے بتایا کہ شادی آج کی عورت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کیونکہ اس ایٹمی دور میں بھی گھر چلانے کے لئے اور بنیادی گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لئے مارکیٹ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو خاوند سے بہتر ہو۔

ہمارا خیال تھا اس کنوارے کھلاڑی کی حمایت مین سیاسی کنوارے مولانا عبدالستار نیازی کچھ فرمائیں گے کیونکہ دونوں تا اطلاع ثانی نیازی اور کنوارے ہیں جب کہ مصطفےٰ کھر اسے اپنے ذاتی معاملات میں مداخلت قرار دیں گے۔ مگر شادی پر پابندی کے خلاف بیان دیا تو وہ بھی سرفراز نواز نے۔ ویسے اس بیان پر عمران خان کو فکر مند نہیں ہونا چاہئے جتنا رانی سرفراز نواز کو۔

محکمہ منصوبہ بندی جو آج تک پیر پگاڑو کے بیانوں کے سہارے زندہ ہے۔ کیونکہ پیر صاحب منصوبہ بندی کا اتنا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ بندہ ان بیانوں کو محکمہ منصوبہ بندی کی پبلسٹی کمپین سمجھتا ہے۔ حالانکہ دوسرے پیر تو ہیں ہی اس محکمے کو ناکام کرنے کے لئے یعنی لوگوں کو اولاد دینے والے پیر۔ تاہم عمران خان نے آکر اس محکمہ کا سلوگن ہی بدل دیا ہے کہ برتھ کنٹرول نہ کریں بلکہ بہت پہلے کنٹرول کریں۔ مگر افسوس کہ ہماری نظر میں عمران خان کی حمایت میں صرف دو بیان گزرے ہیں ایک برنارڈ شا کا اور دوسرا آسکر وائلڈ کا۔ برنارڈ شا کہتا ہے ایک عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ جتنی جلد ہو شادی کر لے اور مرد کے لئے یہ کہ وہ جب تک ہو سکے شادی نہ کرے۔ جب کہ آسکر وائلڈ کہتا ہے کہ شادی کرنا اتنا ہی احمقانہ کام ہے جتنا سگریٹ پینا' بس فرق یہ ہے کہ سگریٹ سستے ہوتے ہیں۔ ویسے عمران خان کے لئے ہمارا مشورہ ہے کہ اگر وہ سنجیدگی سے کسی کو اس بات پر قائل کرنا چاہتا ہے کہ شادی نہیں ہونی چاہئے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کی شادی کرا دے' وہ خود ہی قائل ہو جائے گا۔



کنوارہ گردی

لاہور میں دہشت گردی اور آوارہ گردی کے بعد کنوارہ گردی کا ارتکاب کرنے والوں کے مکمل کوائف بھی تھانوں میں طلب کر لئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے ان "چھڑوں" کے یہ کوائف میرج سنٹرز والوں کے پاس ہی جمع کرائے جاتے تھے۔ لیکن خوشی ہوئی کہ اس کار خیر کے لئے پولیس بھی میدان میں کود پڑی ہے۔ یوں اب لوگوں کو رشتوں کی تلاش میں میرج سنٹروں پر مارا مارا نہیں پھرنا پڑے گا۔ تھانے گئے' سب کنواروں کی لسٹیں دیکھیں جو رشتہ پسند آیا' تھانے دار کو کہہ کر طلب کروالیا۔ یہی نہیں "چھڑے" بھی ہر ہفتے تھانے حاضر ہو کر پوچھا کریں گے کہ سر بڑی دیر ہو گئی' میرا بھی کچھ کرلیں' کب تک چھڑوں کی لسٹ میں رہوں گا۔ کوئی شریف فیملی دیکھ کر میرا

بھی "مک مکاؤ" کروا دیں۔ یوں پہلے جن کو تھانے جاتے ہوئے شرم آتی تھی' اب شرماتے ہوئے تھانے جایا کریں گے۔ صرف جایا کریں گے اس لئے لکھا ہے کہ پکا پ نہیں کہ وہ واپس بھی آیا کریں گے۔ ویسے جو رشتے قانون بنوائے گا وہ سب قانو ہوں گے۔ یوں بھی شادی کے بعد سارے رشتے قانونی ہوتے ہیں۔ ساس قانونی ما سالی قانونی بہن' سسر قانونی باپ' اور سالے قانونی بھائی اور تھانے تو ہیں ہی قانو گھر۔ پہلے خواتین کسی کو کچھ بتا نہیں سکتی تھیں۔ میری ایک جاننے والی کو اس کے خاوند نے برا بھلا کہا۔ میں نے پوچھا "کیا کہا"؟ تو بولی "اس نے وہ کچھ کہا جو میں ک شریف آدمی کو نہیں بتا سکتی"۔ لیکن اب وہ یہ بات تھانیدار کے کان میں کہہ سکے گی۔ بلکہ سبزی لینے جاتے وقت گھر کی چابیاں تھانے میں دے جایا کرے گی کہ منے کے ا آئیں تو انہیں دے دینا۔ ایسی ہی ایک عورت اپنی مرغیاں تھانے میں چھوڑ گئی ج میں آدھی تو پولیس مقابلے میں جان سے گئیں۔ باقی آدھی بھاگ نکلیں۔ بڑی مشکل سے سپاہیوں نے اکٹھی کیں۔ جب وہ خاتون لوٹی تو تھانیدار نے اسے کہا "بی ب مرغیاں فرار ہو گئیں تھیں' مشکل سے گیارہ کو پکڑا جا سکا"۔ تو اس نے کہا "بڑی خو کی بات ہے کیونکہ میں تو چھ مرغیاں چھوڑ کر گئی تھی"۔

پہلے جس کا اندراج تھانے میں ہوتا تھا' اسے لوگ اپنی بیٹی نہ دیتے۔ اب اسے نہ دیں گے جس کے کوائف تھانے میں نہ ہوں گے کہ یہ خالص کنوارہ نہیں' اس نے ضرور کہیں فیملی رکھی ہے۔ پھر خاوند بیویوں کو چھوڑ کر نہ جا سکیں گے کہ فوراً پکڑے جائیں گے۔ ایک ایسے تھانے کو ملزم کے چھ مختلف پوزوں کی تصویریں بھجوائی گئیں تاکہ ملزم گرفتار کئے جا سکیں۔ اگلے دن تھانے دار نے رپورٹ دی پانچ ملزم گرفتار کر لئے گئے ہیں' ایک کی تلاش ہنوز جاری ہے!

پولیس سے میل ملاپ کی وجہ سے ان کنواروں کو وقت کی قدر بھی ہو گی کیونکہ پولیس والے تو وقت کے اس قدر پابند ہوتے ہیں کہ جہاں ۱۲ بجے واردات ہو۔ وہاں اتنی جلدی پہنچ جاتے ہیں کہ ابھی بارہ بجنے میں گیارہ گھنٹے ہوتے ہیں۔

ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ یہ گیارہ سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ محکمہ منصوبہ بندی مداخلت نہ کرے۔ اگرچہ پولیس کی' فیملی کے بغیر رہنے والوں ک یوں پوچھ گچھ محکمہ منصوبہ بندی کے خلاف سازش ہے تاہم اس سے پاکستان کی آد آبادی بہت خوش ہے' آدھی اس لئے کہ اتنی ہی عورتیں ہیں۔

اگر پولیس یہ بھی کر دے کہ جو فیملی کے بغیر باہر پھرتا نظر آئے اس کی بھی قریبی تھانے میں رپورٹ کی جائے تو کئی گھروں کے ازدواجی حالات سدھر جائیں۔ لوگ ذاتی بیویوں کے ساتھ پھرتے نظر آئیں گے۔ یوں پہلے جو دوست آ کر کہتے ہیں کہ یار موٹر سائیکل تو دینا لکشمی چوک تک جانا ہے اب آ کر کہیں گے "یار ذرا فیملی تو دینا"۔ بندہ اپنی بیوی کو ہر ممکن خوش رکھنے کی کوشش کرے گا کہ کہیں یہ نہ ہو بیوی لڑکے میکے چلی جائے اور اسے بغیر فیملی کے رہتے ہوئے دھر لیا جائے۔

"چھڑوں" کو مکان کرائے پر نہ دینے کی وجہ سے اب ہر پراپرٹی ڈیلر کے کمرے میں ایک مولوی نکاح کا رجسٹر لئے بیٹھا ہو گا۔ یوں جو شخص کرائے پر مکان نہ لے سکے گا لوگ اس سے پوچھیں گے کیوں بھئی مکان کا کرایہ طے نہ ہو سکا؟ تو وہ کہے گا کہ کرایہ تو مناسب تھا بس حق مہر سے بات رہ گئی۔

رچرڈ کراشا نے کہا ہے کہ میں شادی کروں گا' مگر میری کوئی بیوی نہیں ہو گی کیونکہ میں اپنے ساتھ شادی کروں گا۔ شکر ہے کہ وہ لاہور میں نہیں رہتا ورنہ اسے فیملی کے بغیر پا کر ایس پی سٹی اسے رچرڈ کراشا کی بجائے رچرڈ کرا شادی کہتا۔ اگرچہ پولیس نے یہ بڑا سگھڑ قدم اٹھایا ہے لیکن میں اس سے متفق نہیں کیونکہ جس بات سے میں متفق ہو جاتا ہوں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بات یقیناً غلط ہی ہو گی۔



ڈاکو پھوپھی عارف علی

ڈاکو پھوپھی عارف علی ایک لحاظ سے تو ڈاکو محب شیدی اور ڈاکو لائق چانڈیو سے بھی نمبر لے گئی ہے کہ یہ دونوں ڈاکو تو صرف مردوں کے نمائندے ہیں یہاں تک کہ پھولن دیوی جیسی ڈاکو بھی عورت ڈاکو ہی رہی، جبکہ پھوپھی عارف علی بیک وقت مرد اور عورت ڈاکو ہے۔ گزشتہ دنوں وہ فیروز والہ کے نواحی علاقے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈاکہ مارتی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی، تو پہلی بار پتہ چلا کہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا مطلب کیا ہے؟ کیونکہ ڈاکو پھوپھی عارف علی نے ہاتھوں میں مہندی لگا رکھی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنے "ہمنواؤں" کے ساتھ ڈاکے مارتی رہی ہے مگر پولیس سے اسے کبھی چھیڑا تک نہ تھا۔ مگر یہ بات اس نے اس انداز سے کہی ہے جیسے

پولیس سے ناراض ہو کہ اس نے اسے پہلے کیوں نہیں چھیڑا تھا؟ اب بھی وہ پکڑے جانے پر اس لئے پریشان ہے کہ اس عمر میں پکڑی جاتی اچھی نہیں لگتی ایسے ہی ایک بوڑھی عورت تیزی سے کار پر جا رہی تھی۔ ٹریفک کانسٹیبل نے رکنے کا اشارہ کیا‘ مگر وہ نہ رکی۔ تو کانسٹیبل نے تعاقب کرکے کار رکوا ہی لی اور پوچھا ”آپ میرے اشارے پر کیوں نہیں رکیں؟“ تو خاتون نے کہا ”بیٹا! میری یہ عمر اشاروں پر رکنے کی ہے!“

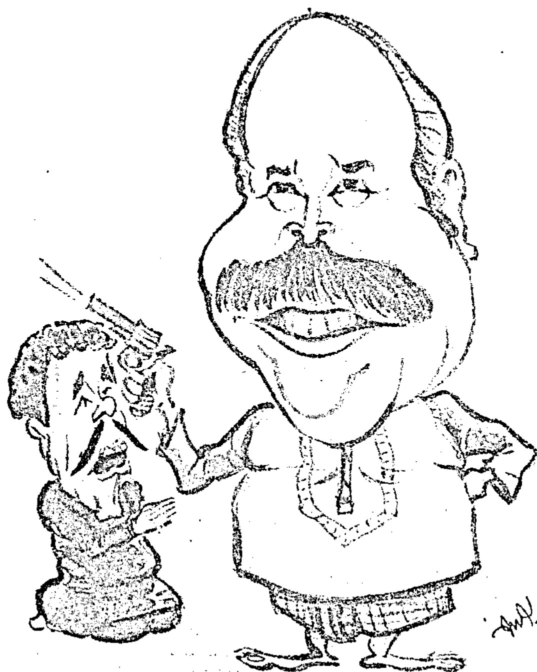
ڈاکو پھوپھی عارف علی کو گرفتار کرنے کے بعد پولیس خود سوچوں میں گرفتار ہو گئی ہے۔ آخر اسے رکھے کہاں؟ عورتیں حوالات میں اسے مرد سمجھ کر ساتھ نہ رکھیں گی اور مردوں کے ساتھ یہ خود کو عورت سمجھ کر نہ رہے گی۔ ہو سکتا ہے اگر تھانیدار پوچھے کہ آپ مرد ہیں یا عورت۔ تو وہ کہے ”آپ مجھے چھوڑ دیں اگر میں چلا گیا تو مرد اور اگر چلی گئی تو عورت۔“ یہی نہیں یہ مسئلہ آگے تک جائے گا کہ عدالت نے پوچھ لیا کہ آپ نے کوئی وکیل کیا ہوا ہے؟“ تو وہ کہے گی‘ ”یہ سراسر الزام ہے‘ میں نے کوئی وکیل نہیں کیا‘ ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں۔“ ہو سکتا ہے وہ اپنی ہی تالیوں کی گونج میں یہ اعلان کر دے کہ جب عورتوں کے لئے زنانہ پولیس ہے‘ مردوں کے لئے مردانہ تو ہمارے لئے درمیانہ کیوں نہیں؟ حالانکہ یہ کام موجودہ پولیس سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ ویسے اگر درمیانہ پولیس بنالی جائے تو یہ فائدہ رہے گا کہ جب زیادہ زنانہ فورس کی ضرورت ہو گی تو ان کو اس میں شامل کر لیا جائے گا اور اگر مردانہ نفری زیادہ چاہئے تو یہ اس کام بھی آسکیں گے۔

ممکن ہے یہ ”صنف“ اس نعرے کے ساتھ الیکشن میں کود پڑے کہ عورت مرد دونوں نے حکومت کرکے دیکھ لی ہے‘ اب ہمیں موقعہ ملنا چاہئے کیونکہ ہم بیک وقت عورت بھی ہیں اور مرد بھی۔ یہی نہیں ہم عوام پر نیا ٹیکس بھی نہیں لگائیں گے ودھائی مانگ مانگ کر حکومت کا خرچ پورا کریں گے۔ اپنے اپنے حلقوں کے لوگوں کی شادیوں پر مفت ناچا کریں گے۔ ویسے یہ واحد نمائندے ہوں گے جو نہ صرف ہمیشہ واحد رہیں گے بلکہ عوام کو نچانے کی بجائے ان کے لئے خود ناچیں گے۔ پھر جو مطالبہ لے کر اٹھیں گے‘ منوا کر دم لیں گے۔ ایک ایسی ہی ”موصوفہ“ کو کسی نے خوش ہو کر ریڈیو دینے کا فیصلہ کر لیا تو اس نے کہا‘ ”میں تو ٹی وی ہی لوں گی۔“ بندے نے تنگ آکر کہا ”اچھا بابا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی لے دوں گا“ ”تو بولی“ میں تو رنگین لوں گی۔“ وہ بڑا تنگ آیا اس نے جان چھڑانے کے لئے کہا ”چلو رنگین ٹی وی ہی لے لینا“ تو بولی ”میں تو دو لوں گی‘“ یہی نہیں ہو سکتا ہے کہ اگر پارٹی انہیں ٹکٹ دے تو وہ آگے سے

کہے ریٹرن ٹکٹ لوں گی۔

ان کو شاید خسرہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خسارے میں ہیں۔ کہتے ہیں مرد بیمار ہو تو پروفیسر افتخار کے پاس جاتا ہے۔ عورت بیمار ہو تو پروفیسر فخر النساء کے پاس جاتی ہے۔ انہیں دونوں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ بیک وقت عورت بھی ہیں اور مرد بھی۔ اس لئے ان کے مسئلے بھی دوگنے ہیں۔ یہی نہیں ان سے پوچھا جائے کہ آپ کے روزانہ اخراجات کتنے ہیں تو کہیں گے ”ہماری آمدنی کو دو سے ضرب دے دو تو ہمارا خرچ نکل آئے گا۔“ ہر قدم پر دائیں بائیں اتنا فاصلہ طے کرتے ہیں جتنے آگے بڑھتے ہیں ویسے وہ مرد عورت کا ایسا متحدہ محاذ ہیں جیسا نوابزادہ نصراللہ خان سیاسی جماعتوں کا بناتے ہیں۔ یہی نہیں وہ عورتوں سے زیادہ میک اپ اور مردوں سے زیادہ شیو کرتے ہیں۔ چلتے ہوئے ان کے پاؤں اتنے نہیں چلتے جتنی ان کی کمر چلتی ہے۔ بولتے ہوئے بھی اتنی زبان نہیں بولتی جتنے ہاتھ بولتے ہیں۔ ناچ رہے ہوں تو لگتا ہے کہ ورزش کر رہے ہیں۔ شاید اس لئے موٹے نہیں ہوتے۔ ویسے بھی اگر ورزش کرنے سے پتلا ہوا جا سکتا تو کسی عورت کا منہ موٹا نہ ہوتا کہ اس سے زیادہ ورزش تو کسی کی نہیں ہوتی۔ ان کا گانا سن کر پتہ چلتا ہے سائیلنسر کتنی اچھی ایجاد ہے جیسے کسی ٹی وی پروڈیوسر کو سخت سزا دینا ہو تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے اس کے اپنے تیار کئے ہوئے پروگرام دکھائے جائیں۔ اسی طرح درمیانی صنف کو سخت سزا یہی دی جا سکتی ہے کہ انہیں ان کا ہی گایا ہوا گانا سنایا جائے۔

ہمارے ہاں نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری کو بڑی حد تک ڈاکوؤں نے کم کیا ہے۔ لیکن لگتا ہے کہ اب یہ بھی ڈاکو بننے کے لئے کم از کم کوالیفیکیشن بی اے فرسٹ ڈویژن رکھ دیں گے۔ لیکن ڈاکو پھوپھی عارف علی بھی اس لئے ڈاکو بنی ہے کہ اس کے بقول ”ہم میں طاقت تو مردوں جتنی ہے اور رحمدلی عورتوں جتنی مگر ہماری بے عزتی کتنی؟ ہمیں تو جس طرح لوگ پانی دیتے ہیں اس سے ہماری بڑی بے عزتی ہوتی ہے‘ لیکن کبھی تو میں یہ بے عزتی پی جاتی ہوں اور کبھی یہ بے عزتی پی جاتا ہوں۔“ ویسے یہ حقیقت ہے کہ وہ کوئی بندہ ہو یا ملک جس کی اپنی الگ شناخت نہ ہو‘ اسے سب تیسری دنیا ہی سمجھتے ہیں۔ میری اس بات پر ہمارے مولوی صاحب بہت ناراض ہیں کہ میں گستاخ ہوتا جا رہا ہوں‘ دنیا تو دو ہی ہیں ایک وہ جس میں ہم رہتے ہیں اور دوسری وہ جہاں ہم نے جانا ہے۔ یہ تیسری دنیا کہاں سے آگئی؟



سیاسی سلطان راہی

ممتاز راٹھور کی ہیرو بننے کی کوششوں سے کوئی اور فکر مند ہو نہ ہو' ہماری پنجابی فلموں کا ہیرو سلطان راہی ضرور فکر مند ہے۔ سنا ہے کہ اب تو سلطان راہی نماز پڑھنے میں زیادہ دیر لگانے لگا ہے۔ نہ صرف اس نے بڑھک اونچی کر دی ہے بلکہ فی فلم کئی قتلوں کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ کیونکہ اسے ڈر ہے کہ ممتاز راٹھور کی پرفارمنس دیکھ کر اکثر فلم ساز اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں' اور عین ممکن ہے اس کی جگہ ممتاز راٹھور کو کاسٹ کیا جانے لگے۔ یوں بھی سیاست میں تو وہ مس کاسٹ ہی ہے پھر اس کا آدھا نام تو پہلے ہی فلم انڈسٹری کے دل کی دھڑکن رہ چکا ہے۔

دیکھنے میں وہ مکمل ہیرو لگتا ہے قد اتنا لمبا کہ اس کے کاندھے پر چڑھ کر لگتا

ہے بندہ خلا میں ہے۔ یوں اس کے ساتھ چلنا دراصل خلائی سفر کرنا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص سے کسی نے پوچھا "آج موسم کیسا ہے"؟ تو اس نے کہا "گردن سے اوپر بڑی سخت گرمی ہوتی ہے۔" آپ الٹے ہو کر دیکھیں تو بڑا سیدھا آدمی ہے۔ ان لوگوں میں سے ہے جو فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں کسی بندے نے بے وقوف نہیں بنایا۔

اس سیاسی سلطان راہی کی پسندیدہ موسیقی گولیوں کی آواز ہے۔ جیسے فاسٹ باؤلر سے کسی نے پوچھا "آپ کی پسندیدہ موسیقی؟" تو اس نے کہا، "میری گیند مخالف بیٹسمین کے سر سے ٹکرانے کی آواز" وہ تو "اصلاح" کہے تو بندہ سمجھتا ہے اس نے "اسلحہ" کہا ہے۔ پھر میری طرح کشمیری ہے یعنی دلیر ہے۔ ایک بار کسی شخص کو دوسرے نے سخت الفاظ کہہ دیئے تو اس شخص نے کہا "میرے ساتھ تمیز اور ادب سے بات کرنا ورنہ میرے سات بھائی ہیں اور ان میں سے ایک کشمیری بھی ہے۔" رنگ اتنا سرخ جتنا سلطان راہی کا فلم کے آخری سین میں ہوتا ہے۔ سلطان راہی کی شکل و صورت ایسی ہے کہ ہر ہیروئن اس کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہے کیونکہ جب وہ سین میں اس کے پاس کھڑی ہوتی ہے تو بہت خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ مرد کا حسن اس کی بانہوں میں اور عورت کا حسن اس کے چہرے پر ہوتا ہے۔ واقعی ہماری فلموں میں حسن ہمیشہ مرد کی بانہوں میں ہی ہوتا ہے۔ لیکن ممتاز راٹھور تو خود اتنا حسین ہے کہ سلطان راہی کے ساتھ کھڑا ہو تو "ممتاز" لگے۔ سلطان راہی کہتا ہے "میں اب تک اس لئے ہیرو ہوں کہ مجھ سے اونچا کوئی نہیں بول سکتا۔" ممتاز راٹھور تو اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ وہ تو یہاں سرگوشی کرے تو بھارت تک آواز سنائی دیتی ہے۔ ایسے ہی کچھ سیاستدان کینیڈا گئے تو وہاں کی حکومت انہیں نیاگرا آبشار دکھانے لے گئی۔ وہاں وہ آپس میں بیان بازی کر رہے تھے کہ گائیڈ نے کہا، "میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جائیں تاکہ دنیا کو اس عظیم آبشار کی آواز سنائی دے سکے۔"

وہ ہر کام بڑی محبت سے کرتا ہے۔ ناکام تک ہونے کے لئے جتنی محنت کرتا ہے وہ اس سے کم میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ دکھاوے کا قائل نہیں۔ ایل ایل بی ہے مگر کیا مجال اپنی کسی بات یا حرکت سے اس کا پتہ چلنے دے۔ کسی سے نہیں ڈرتا۔ خود سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس کا تکیہ کلام ہے "تمہارا باپ بھی مجھے نہیں نکال سکتا" جو فلم میں بڑا ہٹ ہو گا۔ ایسے ہی آزاد کشمیر کے ایک سرکاری افسر شیخ عبدالحیؒ تھے ان دنوں سردار ابراہیم صدر آزاد کشمیر تھے۔ شیخ عبدالحیؒ کہتے "مجھے تو سردار ابراہیم کا باپ بھی

نہیں نکال سکتا۔" تو سردار ابراہیم نے کہا، "واقعی میرا باپ تو نہیں نکال سکتا کیونکہ وہ بااختیار نہیں۔ البتہ میں آپ کو ملازمت سے نکال سکتا ہوں کیونکہ میں بااختیار ہوں۔" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر وقت غصے میں ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھی لطیفہ بھی سنا دیتا ہے، جیسے اس نے خلیج کی جنگ کے موقع پر سنایا تھا کہ امریکہ کی آنکھوں میں دو آدمی کھٹکتے ہیں، ایک صدر صدام حسین اور دوسرا ممتاز حسین راٹھور، یہ ایسے ہی ہے جیسے ضیاء الحق کے دور میں جن دنوں وزیروں کی نامزدگیاں ہونے والی ہوتیں، مجاہد اردو ڈاکٹر فضل الرحمٰن واسکٹ پہن کر سارا دن گھر میں تیار بیٹھے رہتے۔

مزاج ایسا ہے کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے ہمیشہ "یس" کہنے والے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ "نو" کہے تو اسے "نو" کہنے والے بھی اچھے لگتے ہیں۔ میری طرح وہ بھی بہت اچھا مقرر ہے۔ میری تقریریں تو لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرتی ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ جب میں تقریر ختم کرتا ہوں لوگ بیدار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ میں بھی اس کی طرح سامعین کو چھوڑ کر نہیں بھاگتا یعنی اس وقت تک تقریر کرتا رہتا ہوں جب تک آخری سننے والا بھی اٹھ کر نہ چلا جائے۔

سلطان راہی ہمیشہ گھوڑے پر بیٹھا نظر آتا ہے ہر فلم میں اہم فیصلہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کرتا ہے۔ اس لئے اب اسے اتنی عادت ہو گئی ہے کہ نیچے بیٹھ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ممتاز راٹھور بھی ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔ لیکن اہم فیصلہ پلک جھپکتے کر لے گا۔ جب تک مسئلہ غیر اہم نہ ہو اس پر زیادہ نہیں سوچتا۔ سلطان راہی فلم میں ہیرو کم اور ہیروشیما زیادہ لگتا ہے۔ ممتاز راٹھور بھی سیاست میں ایسا ہی لگتا ہے۔

پھر فلم میں اسے مخالفین کو اٹھا کر پھینکنے کے لئے ڈپلی کیٹ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی وہ تو ہر کسی کو "کوہالہ پار" پھینک سکتا ہے۔ لیکن ابھی تک کسی فلم ساز نے اسے بک نہیں کیا۔ شاید فلم ساز ڈرتے ہیں کہ یہ نہ ہو جب فلم مکمل ہو کر ریلیز ہونے والی ہو تو اس فلم کو کالعدم قرار دے کر اسے پھر نئے سرے سے بنانے کا اعلان کر دے۔



ناخواندگی

پاکستان میں ان پڑھ افراد کی تعداد پانچ کروڑ ستر لاکھ ہو گئی ہے اور ہر سال آبادی میں ۲۰ لاکھ ناخواندہ افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ہر سال ۲۰ لاکھ افراد بیروزگار ہونے سے بچ رہے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں ان پڑھ سب کچھ کر سکتا ہے' یہاں تک کہ وزیر بھی بن سکتا ہے' مگر بے روزگار کے لئے پڑھا لکھا ہو: ضروری ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگوں کو اس سے اختلاف ہو۔ یوں بھی ہمارے ہار اختلاف رائے اس قدر ہے کہ میں کل سارا دن مختلف لوگوں سے ایک ہی سوال پوچھتا رہا مگر ہر کسی کا جواب دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ شاید آپ حیران ہوں کہ میر کیا پوچھ رہا تھا؟ میں نے سب سے یہی سوال کیا تھا کہ کیا وقت ہوا ہے؟

بے روزگار اور بے کار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق دس بے کار آدمیوں میں چھ سرکاری ملازم ہوتے ہیں۔ ایک مصور نے تصویر بنائی ا کہا "یہ تصویر حقیقت نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔" پوچھا گیا کہ اس میں آپ نے دکھایا ہے "مصور نے بتایا کہ اس میں بہت سے سرکاری ملازموں کو دفتر میں کام کر ہوئے دکھایا گیا ہے۔ دیکھنے والے نے کہا "مگر اس میں تو کوئی کام نہیں کر رہا۔" مصور نے کہا "جناب یہی تو حقیقت نگاری ہے۔" ہمارے ایک دوست کو ڈاکٹر نے کیا کہ ذہنی کام نہ کریں سو اس نے سوچا کہ فارغ ہوں اور ایک ادبی کتاب لکھ دی۔ ایسے ہی ایک سرکاری ملازم کو جو بیماری کی وجہ سے چھٹیاں کر رہا تھا' ڈاکٹر نے کہا "آپ ایک ہفتے کے لئے مکمل آرام کریں اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں۔" تو اس نے اگلے دن دفتر جانا شروع کر دیا۔ سرکاری ملازمین کی چستی اور پھرتی کا اس سے انداز لگالیں کہ محکمہ جنگلات نے بیان جاری کیا ہے کہ کوئی شکاری اس وقت تک یہاں گو نہ چلائے جب تک اسے کوئی چیز متحرک نظر نہ آئے' یہ فیصلہ وہاں کے ملازمین کو گو سے بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔ میرا ایک دوست جو سرکاری ملازم ہے' صبح جا کے ا کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس وقت اٹھتا ہے جب چوکیدار جا کے اسے ہلاتا ہے کہ اب اٹھ جائیں' میں نے دفتر بند کرنا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر فرد کو پڑھا لکھا کر ذمہ دار شہری بنانا چاہئے حالانکہ انہیں ذمہ دار شہری بنانے کے لئے سب سے پہلے تو انہیں گاؤں سے شہر شفٹ کر کے شہری بنانا گا۔ پھر پولیس کے تعاون سے کسی کام کا ذمہ دار ٹھہرا کر آپ انہیں ذمہ دار شہری سکتے ہیں۔ پڑھا لکھا کر آپ انہیں ہماری طرح بیروزگار بنا دیں گے! یوں اس عمر ہماری ناخواندگی کی وجہ ناخواندگی ہی ہے ورنہ اب تک خاوند کی جاب تو کر رہے ہوتے۔

بیروزگاری بڑھانے میں حکومت کے ساتھ ساتھ خدا کا بھی بڑا ہاتھ ہے کہ وہ ایک بندہ اوپر لاتا ہے تو ستر نیچے بھیج دیتا ہے۔ پھر ملازمت کے لئے بنیادی کوالیفکیشن رشوت اور سفارش ہے۔ رشوت کا ہمارے معاشرے میں اس قدر عمل دخل ہے کہ ایک ڈاکٹر جس کی فیس سو روپے تھی اس کے پاس ایک مریض آیا ڈاکٹر نے معائنے کے بعد بتایا کہ ایک ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے ہو تو مریض نے پانچ سو کا نوٹ ڈاکٹر کو دیتے ہوئے کہا "اب بتائیں میں کتنے ماہ زندہ رہوں گا۔" پچھلے دنوں میرا ایک دوست کہنے لگا "اب ثابت ہو گیا کہ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا "تم

نفسیات کی روشنی میں ثابت کیا کرتے تھے کہ خواب حقیقت کا پرتو ہوتے ہیں' اب تم نے کس طرح ثابت کر دیا کہ یہ جھوٹے ہوتے ہیں۔" تو اس نے کہا "میں نے رات خواب دیکھا ایک سرکاری دفتر میں مجھے انٹرویو کے لئے بلایا گیا اور پھر کسی سفارش کے بغیر ہی نوکری مل گئی۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔"

آسکر وائلڈ کہتا ہے کہ کچھ نہ کرنا دنیا میں مشکل ترین کام ہے۔ مشکل ترین ہی نہیں ذہین ترین بھی۔ یہ سچ ہے کہ بے روزگار ہونا اتنا مشکل کام ہے کہ میں نے اتنے لوگ کام کرتے مرتے نہیں دیکھے جتنے بے روزگاری سے مرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آج کل کا بے روزگار' سکندر اعظم سے بہتر ہے اور اس کی بہتری یہ ہے کہ سکندر اعظم مر چکا اور یہ ابھی زندہ ہے۔

خواتین کی خواندگی کا عالم یہ ہے کہ ایک خاتون کی سرکردگی میں ایک سروے ٹیم بلوچستان گئی' وہاں کئی قصبوں اور گاؤں میں پھرنے کے بعد ٹیم نے بتایا کہ اس سارے سفر کے دوران ہمیں صرف ایک پڑھی لکھی خاتون نظر آئی اور یہ خاتون وہ تھی جس کی سرکردگی میں یہ سروے ٹیم بلوچستان گئی تھی۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں اتنے ان پڑھ ہیں تو ان کی نمائندگی کے لئے بھی ان پڑھ ہی چاہئیں تاکہ وہ اسمبلی میں اس اکثریت کے مسائل بتا سکیں۔ اس لئے ہمارے ہاں سیاست دانوں میں ہائی تعلیم یافتہ وہ ہوتا جو ہائی جماعت تک گیا ہو۔ یوں بھی پڑھے لکھے نورتن ہوتے ہیں' اکبر بننے کے لئے ان پڑھ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ایک وزیر سے ایک غیر ملکی صحافی نے پوچھا "آپ کی تعلیم؟" جواب ملا "ایم اے' کر لیتا اگر میٹرک میں رہ نہ جاتا۔" وکٹر ہیوگو نے کہا ہے بے روزگاری ماں ہے جس کا ایک بچہ لوٹ مار اور ایک بچی بھوک ہے۔" ہمارے ہاں اس زچہ بچہ کی صحت کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ سب سن کر میرا ایک دوست کہنے لگا اس سے تو لگتا ہے ایک بے روزگار سے زیادہ مظلوم دنیا میں کوئی نہیں۔"

ہم نے کہا "ایک بے روزگار سے زیادہ مظلوم بھی دنیا میں ہیں۔"

بولا "کون؟"

ہم نے کہا "دو بے روزگار۔"



چلو چلو تھانے چلو

صبح مرزا صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور بولے "چلو چلو تھانے چلو" میں نے پوچھا "کیوں؟" فرمایا "اسلحہ جمع کرانا ہے۔" مرزا صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جب دفعہ ۱۴۴ کے تحت چار سے زیادہ لوگوں کے سڑک پر اجتماع پر پابندی لگی تو سارا دن یہی کہتے: "دفع ۱۴۴۔" کیونکہ جب بیویوں بچوں کے ساتھ باہر نکلتے تو پولیس پوزیشن سنبھال لیتی۔ سمجھتی جلوس آرہا ہے۔ گھر کی حالت مارک ٹوئن جیسی ہے کہ رات کو کوئی آہٹ ہو تو خود ہی بھونکنا پڑتا ہے۔ ایک مرتبہ مرزا صاحب نے چوری سے بچنے کے لئے کتا رکھا مگر وہ چوری ہو گیا۔ اب ان کے پاس غیر قانونی اسلحہ ہونا مجھے احساس کمتری میں مبتلا کر گیا کہ مجھے بھی حسب توفیق حکومت اسلحہ فنڈ میں کچھ نہ کچھ جمع

کرانا چاہئے لیکن مجھے یقین تھا کہ مرزا صاحب اپنا دیوان ہی جمع کرانے جا رہے ہیں۔ یہی ان کا اسلحہ ہے جس کے دم سے محلے میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے مگر پتہ چلا کہ ان کے پاس کاغذ کاٹنے کی ایک چھری ہے جو چار انچ سے تھوڑی سی بڑی ہے اور وہ اس ڈر میں تھے کہ کہیں پولیس والے پیمانہ لے کر گھر گھر چھریاں ماپنے آ گئے تو کہیں دھر نہ لیا جاؤں اور زمینیں ضبط نہ ہو جائیں حالانکہ جہاں تک مجھے پتہ ہے ان کی اپنی کوئی زمین نہیں وہ خود غالب' میر' فیض اور منیر نیازی کی زمینوں سے کام چلاتے ہیں۔

جارج ہربرٹ نے کہا ہے "ایک تلوار دوسری کو نیام میں رکھتی ہے۔"

ویسے بھی پولیس عوام کی پرانی خادم بلکہ خاوند ہے۔ عوام انہیں پہچانتے ہیں ہم نے ایک شخص کو سادہ کپڑوں میں دو آدمیوں کی تصویریں دکھائیں اور پوچھا "بتاؤ ان میں سے پولیس والا کون ہے؟" تو اس نے منٹ میں بتا دیا۔ میں نے پوچھا "تم نے کیسے پہچانا حالانکہ دوسرا آدمی بھی پولیس والا ہو سکتا ہے۔" تو اس نے کہا "یہ پولیس والا نہیں ہو سکتا اس نے تو اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں۔" شعبہ پولیس تو عوام کی خدمت کے لئے ہے۔ ایک دیہاتی پولیس میں بھرتی ہو کر آیا تو اسے ایک چوک میں "عوام کی خدمت" پر لگا دیا گیا۔ مہینے کے آخر میں اسے تنخواہ دی گئی تو وہ حیران رہ گیا کہ اس کام کی تنخواہ بھی ملتی ہے۔ آج کل یہ سب پولیس' ڈاکوؤں کو بروقت پکڑنے کے لئے کر رہی ہے۔ ایک ایسے ہی بروقت پولیس والے نے قاتل ڈاکو کا ہاتھ کاٹ کر افسر کے سامنے پیش کیا۔ تو افسر نے کہا "مجرم کی گردن کیوں نہیں کاٹی؟" تو سپاہی نے کہا' "وہ میرے جانے سے پہلے کٹی ہوئی تھی۔" پولیس اب ملزموں کو پکڑنے کے لئے جدید طریقے استعمال کر رہی ہے۔ جیسے پہلے گھر سے بھاگنے والوں کے لئے اخبار میں اشتہار دیا جاتا تھا کہ اسے پڑھ کر گھر واپس آ جائیں۔ اب مجرموں کے لئے بھی پولیس یوں ہی اشتہار چھپوا رہی ہے۔ پولیس اگر اس طرح ترقی کرتی رہی تو پھر ایسے اشتہار بھی چھپیں گے "اسلام پورہ اور شیخوپورہ کے قاتل ۳۰ جولائی تک اپنے قریبی تھانے میں رپورٹ کریں۔" جب کہیں ڈاکہ پڑے گا اگلے دن ڈاکوؤں کو بذریعہ اشتہار مطلع کیا جائے گا کہ آپ کو فلاں فلاں تھانہ لگتا ہے' وہاں اس ڈاکے کی تفصیلات بتانے کے لئے حاضر ہوں۔ اگر اس تاریخ تک حاضر نہ ہوئے تو آپ کو غیر حاضر تصور کیا جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجرموں کو مستقل طور پر بے نقاب کرنے کے لئے پولیس اشتہار دے کہ جلد از جلد تمام نقاب قریبی تھانے میں جمع کرا دیں تاکہ آپ کو بے نقاب کیا جا سکے۔

پولیس ہر کام عوام کی آسانی کے لئے کر رہی ہے۔ جیسے' اگر چھریاں تھانوں میں جمع کرانے سے کوئی مسئلہ پیدا ہو مثلاً عورتوں کو سبزی کاٹنے میں دشواری ہو سکتی ہے تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ سبزی لے کر تھانے جائیں قانون کے سامنے بیٹھ کر سبزی کاٹیں اور چھری جمع کرا کے گھر آ جائیں۔ قصاب بھی صبح صبح بکرے لے کر تھانے پہنچ جائیں۔ وہیں ذبح کریں' کھال اتاریں' یوں بھی وہاں کھال اتارنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

انگریزی میں اسلحے کو آرمز کہتے ہیں اور جہاں تک مجھے علم ہے آرمز کا ترجمہ بازو ہے۔ پھر ہمارے ہتھیار بھی تو دراصل ہتھ یار ہیں' سو ہمیں اپنے اپنے بازو اور ہاتھ جمع کرا دینے چاہئیں۔ پال جو زوگوبلز کہتا ہے "ہم مکھن کے بغیر رہ سکتے ہیں مگر ہتھیاروں کے بغیر نہیں۔" واقعی ہم مکھن سے شادی بیاہ کے موقع پر ہوائی فائرنگ تو نہیں کر سکتے لیکن ہو سکتا ہے بات اور آگے بڑھے' وہ تمام چیزیں جن سے قتل ہو سکتا ہے' وہ جمع کرانی پڑیں۔ جیسے دوپٹوں سے گلہ دبا کر قتل کیا جا سکتا ہے۔ پھر کرسی مار کر بھی جان لی جا سکتی ہے۔ ویسے اگر کرسیاں تمام تھانوں میں جمع کر لی جائیں تو کوئی تخریب کاری اور دھماکہ نہ ہو' کہ فساد کی اصل جڑ ہی کرسی ہے۔ دیکھا جائے تو گھر کی ہر چیز سے قتل کیا جا سکتا ہے' لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ سارے گھر کو تھانے میں شفٹ کر دیتے۔ یہ تو اچھا ہوا حکومت نے آرڈیننس جاری کر کے تھانوں کو ہی ہمارے گھروں میں شفٹ کر دیا ہے۔ یوں پولیس گھروں کو اپنا ہی تھانہ سمجھے گی اور آج تک میں نے کسی تھانے میں چوری ہوتے' ڈاکہ پڑتے نہیں دیکھا۔



پیر صاحب کی کرامت

اس سے قبل ہم نے صرف ایک پیر صاحب کی کرامت دیکھی تھی' ان کے مرید نے بتایا کہ پیر صاحب بے جان کو جاندار بنا دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پیر صاحب کے سامنے جو مٹھائی کا ڈھیر تھا' وہ ایک منٹ میں گوشت پوست کا ڈھیر بن گیا۔ بس ایک لڈو گوشت میں بدلنے سے رہ گیا۔ یہ وہ لڈو تھا جو پیر صاحب نے خود کھانے کی بجائے ہمیں پکڑا دیا تھا۔ مرید نے کہا "پیر صاحب کے ہاں شیر اور بکری ساتھ ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ شیر اور بکری اتنے ساتھ ساتھ تھے کہ شیر اور بکری علیحدہ علیحدہ کرنے کے لئے شیر کا پیٹ چاک کرنے کی ضرورت تھی۔ دوسری کرامت ہم نے پیر اقتدار شاہ مردان شاہ پیر صاحب آف پگاڑہ

شریف کی دیکھی کہ انہوں نے بے جان پی۔ این۔ اے کو پھر زندہ کر کے نوابزادہ نصر اللہ خاں کی گود میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے مرحوم پی۔ این۔ اے کے صدر مفتی محمود اللہ کو اور نائب صدر نوابزادہ نصراللہ خاں لوگوں کو پیارے ہو چکے تھے۔

پیر اقتدار دیکھنے میں سیاست دان نہیں لگتے اور بولنے میں پیر نہیں لگتے۔ یہ وہ پیر نہیں جو والدین کو اولاد دیتے ہیں۔ اس خاندان کے چشم و چراغ جس کی چشم بھی چراغ ہے۔ مزاج شروع سے ایسا کہ بچپن میں جلا وطن ہوئے تو یوں جیسے پاکستان کو جلا وطن کر رہے ہیں۔ پاکستان سے اس قدر محبت کہ اب تک برطانیہ میں ہوتے تو برطانیہ اب تک پاکستان میں ہوتا۔ سیاسی پیش گوئیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔

ونسٹن چرچل نے کہا ہے کہ سیاسی قابلیت دراصل اس بات کی اہلیت ہے کہ آپ بتا سکیں کہ 'اگلے ہفتے' اگلے مہینے اور اگلے سال کیا ہو گا یہی نہیں آپ یہ بھی بتا سکیں کہ یہ کیوں نہیں ہوا۔ پیر صاحب دیر کے بعد بولتے ہیں مگر یوں کہ دیر تک بولنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ سیاست دان ہو کر مختصر بات کرتے ہیں۔ ایک بار ایک سیاستدان سے کسی نے پوچھا "آپ اتنی لمبی تقریریں کیوں کرتے ہیں؟" تو اس نے کہا "میرے پاس مختصر تقریر کرنے کا وقت نہیں ہے۔"

پیر صاحب کو کوئی فکر نہیں ہوتی البتہ ان کی باتوں میں فکر ہوتی ہے۔ منیر نیازی پرفیوم لگا کر مشاعروں میں جاتے ہیں تاکہ آرام سے شاعروں میں بیٹھ سکیں۔ پیر صاحب بھی ہر وقت درود اور توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں تاکہ سیاست دانوں کے ملنے جلنے سے کوئی فرق نہ پڑے۔ شریعت بل کے ذکر سے ان کی وہی حالت ہو جاتی ہے جو ہم جیسوں کی بجلی کے بل سے ہوتی ہے۔ لوگ ان کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ وہ نہ بھی بول رہے ہوں تب بھی سن کر واہ واہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے محمد حسین آزاد کے بارے میں کہا تھا کہ وہ گپ بھی ہانکتا ہے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔ پیر صاحب بھی سچ یوں بیان کرتے ہیں جیسے لطیفہ سنا رہے ہوں اور لطیفہ یوں سناتے ہیں جیسے سچ۔ اگر کوئی شخص کہہ رہا ہو کہ مچھلیاں درختوں پر چڑھ جائیں گی' چوہا بلی پر بھاری ہو گا وغیرہ وغیرہ اس کا یقین کر لیں کہ اس کی ذہنی حالت خراب نہیں وہ پیر صاحب کے بیان سنا رہا ہے۔ اپنی خوشی سے زیادہ دوستوں کی خوشی کا خیال رکھتے ہیں اس لئے دوبار اپنے حلقے سے پرویز علی شاہ کو جتوایا۔ کراچی پسند ہے' میرے ایک جاننے والے کو بھی کراچی پسند ہے مگر کہتا ہے کہ اگر کراچی پیر جو گوٹھ شریف میں ہوتا تو مزا آجاتا۔ وہ کہتا ہے "پیر صاحب نے اخبار میں مجھے ایک فرشتہ کہا تھا۔" میں حیران

ہوا تو اس نے بتایا پیر صاحب نے اخبار میں بیان دیا تھا کہ فرشتوں نے میرے خلاف ووٹ ڈالے ہیں اور میں نے پیر صاحب کے خلاف ووٹ ڈالا تھا۔

پیر صاحب کے پاس اللہ اور مریدوں کا دیا سب کچھ ہے لیکن اگر آپ انہیں امیر کہیں تو فرمائیں گے امیر تو جماعت اسلامی کے ہوتے ہیں۔ ایک بار بھٹو صاحب نے پیر پگاڑو کو دھمکی دی "میں تم سے نپٹ لوں گا" تو پیر صاحب نے کہا "کوئی بات نہیں میں پیر پگاڑو ہفتم ہوں میرے بعد آٹھواں بھی ہو گا' تم بتاؤ تمہارے بعد کون آئے گا؟"

مسلم لیگ ان کی کمزوری ہے پہلے کالعدم مسلم لیگ کے صدر بنے پھر مسلم لیگ کے کالعدم صدر بنے۔ کہتے ہیں اب تو پیپلز پارٹی مسلم لیگ' پی این اے مسلم لیگ' دادا گیر مسلم لیگ اور مفلوج مسلم لیگ بن چکی ہیں۔ ویسے جس تیزی سے مسلم لیگیں پیدا ہو رہی ہیں اس لحاظ سے تو مسلم لیگ کو منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ محکمہ منصوبہ بندی کی بھی ضرورت ہے تاکہ مسلم لیگ' مسلم لیگ بن سکے۔ اصلی اور نقلی مسلم لیگ میں آپ اصلی برانڈ کی مسلم لیگ چاہتے ہیں تو اس میں شناختی نشان کے طور پر پیر صاحب کو دیکھیں کیونکہ بقول ان کے اصلی مسلم لیگ وہی ہو گی جس میں ہم ہوں گے۔ کبھی مسلم لیگ کی صدارت سے الگ نہیں ہوئے' ہمیشہ مسلم لیگ کو اپنی صدارت سے الگ کیا۔

امام خمینی نے گورباچوف بلکہ گربہ چوف کو مسلم بننے کی دعوت دی تو پیر صاحب نے اسے مسلم لیگی بننے کی دعوت دے دی۔ بلاول کی پیدائش پر فرمایا کہ اکیس سال بعد یہ بچہ مسلم لیگی ووٹر ہو گا۔ تو اس پر نسیم آہیر نے کہا چلو اکیس سال بعد تو پیر صاحب کو ایک ووٹر مل جائے گا۔

خود کو جی ایچ کیو کا پیر کہتے ہیں دن میں اتنی بار ماشاء اللہ اور انشاء اللہ نہیں کہتے جتنی بار مارشل لاء کہتے ہیں۔ چوتھے مارشل لاء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں صبح ہوتے ہی کھڑکیاں کھول کر دیکھنے لگتا ہوں کہ ہمیں کوئی پکڑنے تو نہیں آیا! حالانکہ ان کی نظر ایسی ہے کھڑکی تو کیا آنکھیں بھی بند ہوں تو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

وہ سیاسی منجم ہیں ستاروں کا علم جانتے ہیں' ریما شیما کا ذکر کر کے ہر قسم کے ستاروں کے علم پر اپنا عبور ظاہر کر دیتے ہیں۔ پیر صاحب صرف اہم سوالوں کے جواب ہی نہیں دیتے بلکہ جن سوالوں کے جواب دیتے ہیں انہیں اہم بنا دیتے ہیں' سیاسی صورت حال چاہے "سیاہ سی صورت حال" ہو مگر اپنی منظر کشی سے وہ "سیاح سی صورت حال" ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی تعریف سننا تو انہیں اتنا اچھا نہیں لگتا' ظاہر ہے

بندہ چوبیس گھنٹے ایک ہی بات تو نہیں سن سکتا ناں۔!

ہم پیر صاحب کے پہلے ہی سے معتقد تھے۔ جب سے انہوں نے پی این اے تحریک کو زندہ کرنے کی کرامت دکھائی ہے اب تو لگتا ہے کہ لوگ بالخصوص سیاست دان خود کو زندہ کرانے کے لئے ان کے در پر حاضر ہونے لگیں گے۔ کہیں مہناز رفیع تحریک کی انگلی پکڑ کر اسے پیر صاحب کے پاس لا رہی ہو گی تو کہیں مولانا طاہر القادری اپنی نومولود تحریک گود میں لئے پیر صاحب سے پھونکیں مروا رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اب لوگ نئی پیدا ہونے والی تحریکوں کے کانوں میں اذان دلوانے بھی ان کے ہاں ہی آنے لگیں۔



نرالی وارننگ

ایک اخباری خبر ہے کہ مغلیہ خاندان کے آخری چشم و چراغ اور بہادر شاہ ظفر کے پڑپوتے محبوب عالم نرالے نے حکومت برطانیہ کو آخری وارننگ دی ہے کہ وہ مغلیہ خاندان کے اثاثے اور جائیداد ان کی تحویل میں واپس دے دے ورنہ اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا ہے کہ برطانیہ نے مغلیہ خاندان کے اثاثوں اور جائیداد پر جبری قبضہ کر رکھا ہے اور ان اثاثوں پر برطانیہ کا کوئی حق نہیں۔ محبوب عالم نرالے نے ملکہ برطانیہ سے کہا ہے کہ انہوں نے مغلیہ خاندان کے اثاثوں اور جائیداد پر جس قدر منافع کمایا ہے اس کا بھی فوری حساب دیا جائے' اور اگر حکومت برطانیہ نے ان کے اس مطالبے پر کسی مثبت رد عمل کا اظہار نہ کیا تو وہ

انتہائی سخت قدم اٹھائیں گے اور شاید نوبت فوج کشی تک آجائے انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ امن چاہتا ہے تو وہ برطانیہ پر دباؤ ڈالے۔

لیجئے صاحب امریکہ اور برطانیہ ابھی صدام حسین سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ انہیں نرالے صاحب نے دھر لیا ہے۔ موصوف مجھے تحقیق کے آدمی لگتے ہیں جنہوں نے آخر اتنے سالوں کی محنت کے بعد یہ پتہ کر ہی لیا کہ ان کے اثاثے اور جائیداد کس کے پاس ہے؟ یہ تھا بھی مشکل۔ ایک ایسے ہی صاحب ریگستان میں اپنا خزانہ ڈھونڈ رہے تھے کسی نے پوچھا "کوئی نشانی؟" بولے جہاں میں نے خزانہ دبایا تھا اس کے عین اوپر بادل کا ٹکڑا تھا۔" نرالہ صاحب نے نہ صرف اپنے خزانے کا پتہ چلا لیا ہے بلکہ وارننگ بھی دیدی ہے۔ مگر اخبار والوں نے انہیں مغلیہ خاندان کا آخری چشم و چراغ لکھ کر تو بذات خود موصوف کو وارننگ دے دی ہے کہ کچھ کرلیں۔ یوں بھی آج کل چراغ کہاں؟ سو انہیں اپنے خاندان کا چشم و بلب لکھنا چاہیئے تھا۔ ہمارے ایک دوست مدت تک جان بلب کو جان کمپنی کا بلب سمجھتے رہے۔ اخبار نے نرالے صاحب کو بہادر شاہ ظفر کا پڑپوتا ہونے کا دعویدار لکھا ہے جس سے وہ سیلف میڈ آدمی لگتے ہیں جیسے ایک شاعر کے بارے میں کسی نے لکھا تھا "وہ سب کچھ اپنی انتھک محنت کی وجہ سے بنا' جہان تک کے سید بھی اپنی کوششوں سے بنا"۔ بہرحال وہ اس خاندان سے ہیں جس میں ہمیشہ بڑے آدمی پیدا ہوئے۔ جب کہ ایک ہمارا خاندان ہے کہ کبھی کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوا ہمیشہ بچے پیدا ہوئے۔ ایک ایسے ہی صاحب بتا رہے تھے کہ ہم تو بادشاہوں کی طرح سڑک پر کھڑے ہو کر ذرا سے اشارے سے جس سواری کو چاہیں روک کر اس میں سوار ہو جائیں' تو دوسرے نے کہا کہ سیدھی طرح بتاؤ کہ ویگن میں سفر کرتے ہو۔ اس نے پھر کہا "میرا والد دیواروں میں سے سورج کی روشنی کو گزارتا ہے۔" تو دوسرے نے کہا "سیدھی طرح کہو روشن دان بناتا ہے۔"

نرالہ صاحب بادشاہ آدمی ہیں' اسی لئے انہوں نے ملکہ کو وارننگ دی ہے کیونکہ ملکہ سے بات کرنے کا انہیں ملکہ ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ برطانیہ نے ان کے اثاثوں پر جبری قبضہ کر رکھا ہے۔ واقعی یہ زیادتی ہے جبری قبضہ نہیں ہونا چاہیئے۔ سادہ قبضہ ہونا چاہیئے۔ ایسے ہی ایک شخص کو کسی نے کہا' فلاں نے تمہاری بری طرح بے عزتی کی" تو اس نے کہا "غلط اس نے بری طرح نہیں اچھی طرح کی" ایک بار ایسے شخص نے جس کی پسلیوں پر بچے گنتی یاد کر سکتے تھے' دوسرے کو دھمکی دی کہ ہوش سے مجھ پر ہاتھ اٹھانا کہیں میرے ہاتھوں قتل نہ ہو جانا۔ لیکن دوسرا طاقتور تھا اس نے

تھپڑ جڑ دیا تو غصے سے بولے "یہ تھپڑ تم نے سنجیدگی سے مارا ہے یا مذاق سے؟" دوسرے نے کہا "سنجیدگی سے" تو بولا "شکر کرو تم نے مذاق سے نہیں مارا کیونکہ میرا تمہارا مذاق نہیں۔" اب یہ تو نرالہ صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ وارننگ کس انداز میں دی ہے۔ بہرحال ملکہ برطانیہ کو اپنی دولت اور عزت کی فکر پڑ گئی ہو گی لیکن ملکہ برطانیہ نرالہ صاحب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ پطرس بخاری مرحوم گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے وہاں ایک چوکیدار ان کے خلاف باتیں کیا کرتا۔ ایک بار کسی استاد نے کہا "پطرس صاحب! آپ کے خلاف فلاں چوکیدار بہت بولتا ہے اور کہتا ہے پطرس بخاری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" تو پطرس بخاری نے کہا "وہ ٹھیک کہتا ہے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے پاس دولت ہے نہ عزت' شہرت ہے نہ عہدہ میں اس کا کیا بگاڑوں؟" سو اس کالعدم بادشاہ اور بحال ملکہ کی ٹکر میں سارا نقصان ملکہ کا ہی ہو گا سو ملکہ کو فوراً ابھی کھاتے لے کر حاضر ہو جانا چاہیئے۔

انہوں نے اگرچہ سنگین نتائج واضح نہیں کئے لیکن ہمیں پتہ ہے کیونکہ ہم جب بھی امتحان دیتے تو اس کے بڑے سنگین نتائج نکلتے۔ ہم تو کہتے ہیں کالج اچھی جگہ ہے' بس پڑھایا نہ جائے۔ پڑھائی اچھی چیز ہے بس امتحان نہ ہوں۔ امتحان بھی اچھی چیز ہے بس نتیجہ نہ نکلے۔ نرالہ صاحب بہادر آدمی ہیں یہ نہ ہو اکیلے ملکہ کے محل پر فوج کشی کر دیں۔ اگرچہ یہ اکیلے آدمی کا کام نہیں تاہم ساتھ شناختی کارڈ لے جانا نہ بھولیں ورنہ ان کے ساتھ وہی نہ ہو جو ایلوس پریسلے کے ساتھ ہوا۔ مشہور گلوکار ایلوس پریسلے ایک بار خود بینک سے اپنا چیک کیش کرانے گیا وہاں شکل سے اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ نہ اس کے پاس کوئی شناخت تھی۔ بینک مینجر نے کہا' "میں صرف اس صورت میں میں آپ کو ایلوس تسلیم کرتا ہوں کہ آپ مجھے کچھ گا کر سنائیں۔" یہ سن کر ایلوس نے چیک جیب میں ڈال لیا اور کہا۔ "اگر میں صرف سو ڈالر کے لئے آپ کو گانا سنا دوں تو پھر سمجھ لیں میں ایلوس پریسلے نہیں ہوں۔" ویسے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نرالہ صاحب سے پہلے ہی کوئی خود کو محبوب عالم نرالہ ظاہر کر کے اثاثے لے کر چلتا بنے۔ سو انہیں فوری طور پر اصلی نرالے کی نشانیاں ملکہ تک پہنچا دینی چاہیں۔ سنا ہے ایک بار چارلی چپلن کے ہم شکل افراد کے درمیان مقابلہ ہو رہا تھا جن میں سے ایک شخص چننا تھا جو سب سے زیادہ چارلی چپلن سے ملتا جلتا ہو۔ چارلی چپلن چپکے سے کسی کو بتائے بغیر مقابلے میں شامل ہو گیا اور وہ یہ مقابلہ ہار گیا۔

محبوب عالم نرالے نے ساتھ امریکہ کو بھی دھمکی دے دی ہے۔ بش بچارہ

پہلے ہی دل کا مریض ہے اس دھمکی سے اسے دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ ویسے سنا ہے
دھمکی کے بعد سے بش مسلسل دوروں پر ہے۔ کہتے ہیں امریکی سفیر رچرڈ مکی جس کا
میرے ایک جاننے والے مولانا اس لئے احترام سے لیتے ہیں کہ شاید یہ مکہ کا رہنے
ہو، وہ بھی اس دھمکی سے ڈر کر پاکستان چھوڑ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے نرالہ صاحب حکومت
پاکستان کو بھی شاہی قلعہ خالی کرانے کا نوٹس دیدیں۔ ویسے اتنا مجھے یقین ہے کہ اگر
کوشش کریں تو حکومت انہیں شاہی قلعے میں رکھنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔



ڈاکوؤں کے لئے ہار

ڈاکو گلاب جسکانی نے پریس کلب رادھن کے نام خط میں لکھا ہے "وزیر اعظم ہمیں سرعام معاف کریں ورنہ ...." ایک افسر کی کوٹھی پر ملاقاتی آیا' چوکیدار نے بتایا

"سر! کوئی احمد علی ملنے آیا ہے۔"

"کون احمد علی؟"

"کہتا ہے صاحب کو سلام کرنے آیا ہوں۔"

"سلام کرنے آیا ہے! فقرہ جانا پہچانا ہے اندر بلا لو۔"

سو ڈاکو گلاب جسکانی کا فقرہ بھی ہمارے لئے جانا پہچانا ہے۔ جب بھی کوئی

مانگنے والا ہماری طرف بڑھنے لگے ہم فوراً کہتے ہیں "بھئی معاف کرنا۔" معافی آج کل اس قدر اہمیت حاصل کرتی جا رہی ہے کہ لگتا ہے سکولوں میں جہاں پہلے بچوں کو چھٹی کی درخواست لکھنا سکھایا جاتا تھا اب وہاں معافی نامہ سکھایا جائے گا۔ دلدار بھٹی کے بارے میں ہے کہ وہ جب کسی سے زیادتی کرتا تو پھر اس سے معافی ضرور مانگ لیتا۔ اس لئے جب کسی کی بے عزتی کرتا تو دل کھول کر کرتا کہ بعد میں معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ اس لئے اب ڈاکوؤں کو چاہئے کہ دل کھول کر ڈاکے مار لیں کیونکہ معافی تو لے ہی لینی ہے۔ پہلے معافی مانگنے کے دیسی طریقے تھے کہ اپنی پگ کسی کے پاؤں میں رکھنا پڑتی۔ اب معافی مانگنے کے لئے پہلے بازار جا کر پگ کا کپڑا خریدو۔ انگریزوں نے جہاں کئی اور ایجادات کیں ان میں سے ایک لفظ سوری ہے بڑی سے بڑی غلطی کر کے آپ یہ کہہ دیں تو دوسرا ناراض ہونے کی بجائے الٹا آپ کا شکریہ ادا کرے گا۔ میں معافی مانگنے کو آج تک کمزوری اور بزدلی سمجھتا رہا۔ اب پتہ چلا کہ آج کل ہر چیز اپنے زور بازو پر لینی پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ معافی تک طاقت سے ملتی ہے۔ اسی لئے ڈاکو ساتھ ورنہ! لگا کر معافی بھی تاوان کی طرح وصول کرنا چاہتے ہیں۔ "ورنہ" لگانے سے لگتا ہے ڈاکو پڑھے لکھے تو ہیں مگر نقل مار کر پاس نہیں ہوئے کیونکہ نقل کے لئے عقل چاہئے اور جو نقل سے پاس ہو اس کا عقلمند ہونا مسلمہ ہے، لیکن لگتا ہے کہ وہ خود سے پاس ہوئے ہیں تب ہی خود سر ہیں۔ ورنہ یہ کہتے "معاف کر دیں ناں!" یا "سوری" کہتے۔

ہمارے ایک دوست نے اپنی سیکرٹری سے شادی کی۔ اب وہ اس کی بیوی ہے اور یہ اس کا سیکرٹری ہے۔ کہتا ہے "ازدواجی زندگی تو چلتی ہی معافی پر ہے۔ کبھی خاوند کو چاہئے کہ وہ بیوی سے معافی مانگ لے اور کبھی بیوی کو چاہئے کہ خاوند کو معاف کر دے۔"

ایمرسن کہتا ہے "آج تک کسی سیانے بندے نے معافی نہیں مانگی۔" لیکن "ف" کہتا ہے کہ یہ بیان ایمرسن نے شادی سے پہلے دیا تھا' ورنہ وہ کہتا ہمیشہ سیانے بندے نے معافی مانگی۔ میرے دوست "ف" نے وعدہ کیا تھا جب غلط بات کروں گا معافی ضرور مانگوں گا۔ سو جب سے وہ سیاست میں آیا ہے وہ اپنی گفتگو کا آغاز ان فقروں سے کرتا ہے "معافی چاہتا ہوں" اگرچہ حکومت کو چاہئے کہ ہر سال کے آخر میں معافی کلیرنس سیل لگایا کرے تاکہ ڈاکوؤں اور کالا دھن رکھنے والوں کو "معزز شہری" بننے کا موقع مل سکے۔ ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار دیئے جائیں "گیارہ مہینے

تہاڈے اک مہینہ ساڈا" یعنی اس ماہ ہمارے پاس آکر معافی وصول کریں۔ ایک ایسے ڈاکو کے باپ کو مجسٹریٹ نے سمجھاتے ہوئے کہا کہ آخر اپنے بیٹے کی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ اسے کیوں نہیں بتاتے کہ صحیح اور درست کیا ہے؟ اس نے کہا "بتاتا ہوں جناب عالی! یہ اس پر عمل بھی کرتا ہے مگر اس کے باوجود پکڑا جاتا ہے" اگرچہ ہار ہی ڈاکوؤں کا مقدر ہے لیکن شاید ان کی یہ خوبی ان کو بچا لے کہ وہ ہار مان کر معافی چاہتے ہیں۔ ایک بار ایک بیوی سے اس کے خاوند نے پوچھا:

"ڈارلنگ آپ کو پتہ ہے مجھے تمہاری کون سی چیز پسند ہے؟"

"میرے بال؟"

"نہیں۔"

"میرا سراپا؟"

"نہیں"

"میری فہم و فراست"

"نہیں۔"

"میں ہار گئی"

"بس یہی مجھے پسند ہے۔"



نفسیاتی موشگافیاں

ہم روز اخبار اس لئے پڑھتے ہیں کہ نت نئی چیزوں سے آگاہی رہے۔ کل کا اخبار پڑھ کر ہمیں وہ آگاہی ہوئی کہ مت پوچھیں۔ ماہر نفسیات ڈاکٹر شعیب شاہ کے فرمان کی جلی سرخی جلا گئی۔ انہوں نے کہا "میرے اندازے کے مطابق ہر پاکستان نفسیاتی مریض ہے۔" بیان پڑھ کر ہمیں اپنے نفسیاتی مریض ہونے کا تو پتہ چل ہی گیا جو اتنی پریشانی کی بات نہیں جتنی یہ سوچ کر ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب کی بیگم کو بھی ان کے بارے میں پتہ چل گیا ہو گا۔ کسی مفکر نے اس سے پہلے صرف یہ کہہ دیا تھا کہ دنیا میں پچاس فیصد لوگ پاگل ہیں۔ تو لوگوں نے اسے اس وقت تک نہ بخشا جب تک اس نے یہ نہ کہہ دیا کہ دنیا میں پچاس فیصد لوگ پاگل نہیں ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص نے بیان

دینے کے شوق میں کہہ دیا کہ ۹۹ فیصد بیویاں جھوٹ بولتی ہیں۔ تو دوسرے نے کہا شاید اسی لئے بھابھی آپ کو وفا شعار، جینئس اور آئیڈیل خاوند کہتی ہیں۔ تو اس نے کہا "وہ سچ کہتی ہے کیونکہ ایک فیصد بیویاں سچ بھی تو بولتی ہیں" بہرحال ڈاکٹر موصوف نے اپنے لئے بچاؤ کا ایک فیصد رستہ بھی نہیں رکھا۔ حسن ظن سے نہیں تو حسن زن سے ہی کام لیتے۔ جیسے برنارڈشا نے کسی خاتون سے کہا، "محترمہ! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" تو اس نے کہا، "مجھے تو آپ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" برناڈشا نے کہا "بی بی کیا آپ میری طرح جھوٹ نہیں بول سکتیں۔" بہرحال ڈاکٹر صاحب نے "میرے اندازے کے مطابق" کہہ کر ان لوگوں کو شک کا فائدہ دے دیا ہے جو ابھی تک ڈاکٹر صاحب سے نہیں ملے۔ تاہم ڈاکٹر موصوف کے ملنے جلنے والوں کے بارے میں ان کی یہ رائے حتمی مانی جا سکتی ہے لیکن ان ملاقاتیوں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ یہاں "ہر پاکستانی" میں جو لفظ "ہر" ہے وہ انگریزی کا ہے۔

ایک زمانہ تھا ایک مرکزی وزیر پاگل خانے کا معائنہ کرنے گیا تو انتظامیہ نے تمام پاگلوں کو سکھلایا کہ جب وزیر صاحب آئیں تو زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں۔ سو پاگل "ہمارا لیڈر ...... زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ ایک شخص جو چپ چاپ کھڑا تھا۔ وزیر نے اس سے پوچھا، "تم نعرے کیوں نہیں لگا رہے؟۔" تو اس نے کہا، "جناب! میں پاگل نہیں ہوں میں تو یہاں کا ملازم ہوں" اب وہ زمانہ ہے کہ صرف اس شخص کو پاگل نہیں مانا جاتا ہے جو سرکاری ملازم ہوتے ہوئے وزیر کے آنے پر نعرے نہ لگائے۔ جارج سنٹایانا کہتا ہے "عقلمندی دراصل وہ پاگل پن ہے۔ جو ہم اپنی بہتری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" سیموئیل بیکٹ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا "ہم سب پاگل پیدا ہوئے ہیں اور کچھ تو آخر تک رہتے ہیں۔" جس شہر میں سب پاگل ہوں اس میں جو شخص پاگل نہ ہو دراصل اس شہر میں صرف وہی پاگل ہوتا ہے۔ یوں آج کے دور میں یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کون پاگل ہے کون نہیں۔ سو ڈاکٹر صاحب نے ہر پاکستانی کو نفسیاتی مریض قرار دے کے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ ان کے بیان کے بعد میں نے سارا اخبار پڑھا۔ سیاست دانوں کے بیانات پڑھے مگر میں جوں جوں اخبار پڑھتا گیا ڈاکٹر صاحب کے "اندازے" کو تقویت ملتی گئی۔ ایک لحاظ سے یہ خبر ماہر نفسیات حضرات کے لئے خوش خبری بھی ہے کہ اب نظر آنے والا شخص ان کا مریض ہو گا۔ ایسے ہی ایک ماہر نفسیات نے تین کلینک کھولے پوچھنے پر بتایا۔ ایک مردوں کے علاج کے لئے دوسرا عورتوں کے علاج کے لئے کسی نے پوچھا کہ یہ تیسرا کس لئے؟ تو اس نے کہا "

اس لئے کہ کچھ لوگ علاج نہیں بھی کرانا چاہتے لیکن اب ماہر نفسیات حضرات کو یہ جاننے میں دشواری ہو گی کہ ان کا عزیز کون ہے اور مریض کون سا ہے؟ ایک ایسے ماہر نفسیات کے پاس ایک خاتون آئی۔ ڈاکٹر نے شناسا چہرہ دیکھ کر یاد کرتے ہوئے پوچھا، "محترمہ! میں نے آپ کو پہلے کہاں دیکھا ہے؟" تو محترمہ بولی، "پہلی بار آپ نے مجھے اس دن دیکھا جس روز میری آپ سے شادی ہوئی تھی۔" چونکہ ہر شخص مریض ہو گا اس لئے ماہر نفسیات کو پتہ نہیں چلے گا کہ وہ اس وقت گھر میں ہے یا کلینک میں۔ ایک بار ایک شخص ماہر نفسیات کے پاس آیا کہ میری تحلیل نفسی کریں میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک خوبصورت کمرے میں ہوں جہاں سو خوبصورت لڑکیاں رقص کر رہی ہیں۔ بڑا دہشت ناک خواب تھا۔ ماہر نفسیات نے پوچھا سو خوبصورت لڑکیوں کے ہوتے ہوئے خواب دہشت ناک کیسے ہو گیا؟" تو اس نے کہا "اس لئے کہ میں بھی ان لڑکیوں میں سے ایک تھا۔" سو اسی طرح اتنے مریض ہونے کے باوجود یہ ڈاکٹر صاحب کے لئے خوشی کی خبر نہیں کیونکہ ان مریضوں میں سے ایک وہ خود بھی تو ہیں۔



باہرویں ترمیم

لفظ "ترمیم" مجھے اس لئے پسند ہے کہ اس میں "میم" آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی ادب کا طالب علم تذکیرو تانیث کی غلطی نکال کر کے میم آتا نہیں میم آتی ہے۔ بہرحال مجھے لفظ ترمیم ایسے ہی پسند ہے جیسے لفظ "گورنر" ناپسند کہ اس کے لئے پہلے "گور" لکھنا پڑتا ہے۔ نواز شریف ہر معاملے میں محترمہ بے نظیر بھٹو سے چار ہاتھ آگے ہیں۔ وہ ابھی ۳۷ برس کی نہیں ہوئی تھیں کہ یہ ۴۱ برس کے ہو گئے وہ ابھی آٹھویں ترمیم پر ہی تھیں انہوں نے بارہویں بھی کرلی۔

ترمیم ڈکشنری میں اصلاح اور درستی کو کہتے ہیں اور درستی کرنے کے لئے غلطی کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ کسی آدمی سے یہ پوچھنا کہ اس نے کبھی غلطی کی ہے

ایسے ہی ہے جیسے یہ پوچھنا کہ آپ کبھی انسان رہے ہیں۔ ایک صحافی نے ڈرامہ نگار اشفاق احمد سے پوچھا "آپ نے کبھی غلطی کی؟" تو انہوں نے کہا، "ڈھائی ہزار غلطیاں کرچکا ہوں۔"

میں نے اپنے ہمسائے سے کہا کہ آپ اپنی غلطیوں کا شمار کریں تو اس نے کہا، "کل بارہ ہیں چار بیٹیاں اور آٹھ بیٹے۔" ہر شخص نے غلطی کی ہوگی مگر ہمارے سیاست دانوں نے کبھی غلطی نہیں کی۔ وہ تو فرشتے ہیں اور ان کے کام بھی فرشتوں والے ہیں یعنی دوسروں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا حساب رکھنا۔ ایک ایسے ہی سیاستدان اسمبلی میں کھڑے ہو کر ہر کسی کی غلطیاں نکال رہے تھے۔ اجلاس کے بعد ایک صحافی نے پوچھا کہ کسی اور نے بھی کہا کہ آپ نے یہ جو کیا درست کیا تو وہ بولے "ہاں جب میں بیٹھا تو ساتھ والے نے کہا تھا۔ یہ آپ نے درست کیا۔"

ویسے اصلاح ضرور ہونی چاہئے۔ جیسے اخبار میں خبر چھپی "آگ لگنے سے تین ارب ہلاک" اگلے دن اسی اخبار نے لکھا "ہم معذرت خواہ ہیں کہ آگ لگنے سے صرف تین عرب ہلاک ہوئے، اصلاح فرمالیں۔" ہمارے ایک دوست کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن آیا تو اس نے لکھا تھا ترمیم و اضافے کے ساتھ۔ ترمیم رائٹر کی تصویر میں اور اضافہ کتاب کی قیمت میں تھا۔ تاہم دوستوں نے ساتھ یہ اضافہ کر دیا کہ جو دوسرے ایڈیشن کی ایک کتاب خریدے گا اسے پہلے ایڈیشن کی دو کتابیں مفت ملیں گی۔

بارہویں ترمیم کے بعد اب اسمبلی سے باہر والوں کو چاہئے کہ وہ مقابلے پر باہرویں ترمیم لے آئیں جیسے ایک بچہ دن رات دعا مانگتا یا اللہ لاہور کو پاکستان کا صدر مقام بنا دے جو گھر میں آتا اسے بھی کہتا ہر صورت میں لاہور پاکستان کا صدر مقام ہونا چاہئے ورنہ بہت برا ہوگا۔ انہوں نے پوچھا "آخر کیوں"؟ تو کہنے لگا "میرے امتحانی پرچے میں ایک سوال تھا" پاکستان کا صدر مقام کونسا ہے؟ میں نے لاہور لکھ دیا ہے اور اب میں پاکستان کے صدر مقام میں ترمیم چاہتا ہوں۔" دیکھتے ہیں پیر صاحب آف پگاڑا، نوابزدہ نصراللہ خان اور رہنما ان حالات میں کیا باہرویں ترمیم لاتے ہیں تاہم وہ یقیناً ایسی نہ ہوگی جیسی ایک دکاندار کے ساتھ ہوئی۔ اس نے دکان کے لئے بورڈ لکھوایا:

"اس دکان پر تازہ مچھلی سستے داموں فروخت ہوتی ہے۔"

باہر سے چند سیانے بلائے اور کہا، "دیکھ لیں اس میں کسی ترمیم کی ضرورت

تو نہیں؟" ایک سیانے نے پڑھا اور کہا "اس میں لفظ دکان زائد ہے۔ بھئی! سب کو پتہ ہے یہ دکان ہے کوئی گھر یا سکول تو نہیں سو اسے لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ لفظ صاف کروا دو۔" یوں بورڈ بن گیا:

"یہاں تازہ مچھلی سستے داموں فروخت ہوتی ہے۔"

دوسرے سیانے نے سوچ بچار کے بعد کہا، "بھئی! یہ تازہ لکھنے کی کیا ضرورت آپڑی؟ ظاہر ہے تم باسی مچھلی بیچنے سے تو رہے۔ اس لفظ کی ضرورت نہیں پھر یہ بھاؤ تاؤ تو ہوتا رہتا ہے کبھی سستی کبھی مہنگی۔ یہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ سستے داموں فروخت ہوتی ہے۔" سو بورڈ یہ رہ گیا:

"یہاں مچھلی فروخت ہوتی ہے۔"

تیسرے نے کہا، "تم کسی کو مفت دینے سے تو رہے پھر یہاں فروخت ہوتی لکھ کر دوسروں کے علم میں کیا اضافہ کر رہے ہو؟ یہ بھی زائد ہے صاف کروا دو۔" سو بورڈ رہ گیا:

"یہاں مچھلی ہوتی ہے۔"

ایک سیانا جو بڑی دیر سے چپ بیٹھا ہوا تھا، بولا: بھئی مچھلی کی تو بو سو گز سے آ رہی ہے اور یہ اندھے کو پتہ چل رہا ہے یہاں مچھلی ہے پھر یہ کتنا احمقانہ لگتا ہے کہ دکان پر لکھا ہو یہاں مچھلی ہوتی ہے۔" یوں ہوتے ہوتے بورڈ کا آپریشن کلین اپ ہو گیا۔



آئیں وائیں شائیں

غلام حیدر وائیں صاحب نے یہ کہہ کر کہ دہشت گرد، پولیس سے زیادہ تربیت یافتہ ہیں، پولیس والوں کی دہشت پر گرد ڈال دی ہے۔ سو لگتا ہے اب پولیس میں بھرتی کے وقت سابق دہشت گردوں اور سابق ڈاکوؤں کو ترجیح دی جائے گی تاکہ تربیت یافتہ لوگ پولیس میں آسکیں۔ چونکہ ان کا ڈاکہ زنی اور دہشت گردی کا ذاتی تجربہ ہوگا، سو بڑے سے بڑا تجربہ کار ڈاکو اور دہشت گرد بھی ان سے نہ بچ سکے گا۔

جناب "میاں چنوں" صاحب کا تعلق تو اس طبقے سے ہے جہاں خوش حالی اپنے حال پر خوش ہونا یا اس سے مراد حالی صاحب کا خوش ہونا ہوتا ہے۔ وہ واحد سیاست دان ہیں جو کبھی کرسی کی طرف نہیں بھاگے، چارپائی کی طرف بھاگتے ہیں۔

انہوں نے تو مسلم لیگ ہاؤس میں کرسی کی جگہ چارپائی ڈلوا دی تھی۔ مسلم لیگ اور الکحل میں سب حل ہو جاتا ہے اور یہ حل ہو کر خود مسلم لیگ بن گئے ہیں۔ وہ میاں چنوں میں سائیکل یوں چلایا کرتے جیسے مسلم لیگ چلا رہے ہوں۔ اگر پارٹی ڈولتی محسوس ہوتی تو اتر کر سائیکل کا ہینڈل ٹھیک کرنے لگتے۔ سائیکل کی رفتار ایسی ہوتی کہ اگر کہیں جلد پہنچنا ہوتا تو پیدل ہی جاتے۔ البتہ اس جذبے سے سائیکل چلاتے جس سے کار فرما ایک کار والے کو ٹریفک کانسٹیبل نے پکڑ لیا تو اس نے پوچھا "کیا آپ تیز رفتاری کی وجہ سے میرا چالان کر رہے ہیں؟" کانسٹیبل نے کہا' "نہیں میں آپ کو اتنی نیچی پرواز کرنے کے جرم میں پکڑ رہا ہوں۔" جناب وائیں صاحب وقت کے اس قدر پابند ہیں کہ آپ انہیں ملنے گھنٹہ لیٹ بھی پہنچیں تو وہ پانچ منٹ سے تیار آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے ان کا تو دن بھی پچیس گھنٹوں کا ہوتا ہے ایک گھنٹہ پہلے جو اٹھ پڑتے ہیں اس قدر محنتی کہ آرام بھی محنت سے کرتے ہیں۔ دھن کے اتنے پکے کہ چھٹی منزل پر جانا ہو اور پتہ چلے کہ عمارت کی تو صرف پانچ منزلیں ہیں تو دو مرتبہ تیسری منزل کا چکر لگا لیں گے۔ جیسے کسی نے کہا' "میں پیر پگاڑا چہارم دہم سے ملا۔" پوچھا "کیسے!" کہنے لگا میں پیر پگاڑا ہفتم کو دوبار ملا۔"

ہمارے سیاست دان ہر کام آدھا کریں گے۔ ایک سیاست دان کی بیوی نے کہا کہ مجھے خانساماں چاہئے۔ موصوف ایک شخص کو لے کر گھر لوٹے اور کہا "بیگم! خان آج لے آیا ہوں' ساماں کل لا دوں گا۔" لیکن وائیں صاحب مختلف ہیں۔ ان کو جس دن کوئی کام نہ ہو سخت تھک جاتے ہیں۔ صوبے میں انہوں نے میرٹ کو فروغ دیا۔ اگرچہ میرٹ سے مراد یہ ہے کہ پچیس سال کے نوجوان کو تب نوکری ملے گی جب اس کا چالیس سال کا تجربہ ہو گا۔ صحافی انہیں کمزور وزیر اعلیٰ کہہ دیں تو ڈاکٹر سے چیک اپ کرانے لگتے ہیں۔ انہیں پوچھو کونسا پھول پسند ہے تو کہیں گے رانا پھول۔

پہلے میاں چنوں ان کے حوالے تھا' اب یہ میاں چنوں کے حوالے ہیں۔

انہیں میاں چنوں سے اس قدر شدید لگاؤ شاید اس لئے ہے کہ اس کے ساتھ لفظ "میاں" جو لگا ہوا ہے۔ ایک روسی ادیب کو جلا وطن کیا گیا تو اس نے اخبار کے نمائندوں سے کہا کہ آج سے میں روس کو جلا وطن کرتا ہوں۔ لیکن اگر موصوف وہاں ہوتے تو کہتے آج سے میں خود کو روس میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کہتے ہیں میرا چھوٹا بھائی نہیں اس لئے گھر کی دیکھ بھال کے لئے مجھے بار بار میاں چنوں جانا پڑتا ہے۔ اگرچہ ہم انہیں اس وقت چھوٹے بھائی کے لئے دعا نہیں دے سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

ہمیں بھی ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے ڈر سے بار بار اپنے اپنے میاں چنوں جانا پڑتا ہے۔ لیکن اگر حکومت آئیں بائیں شائیں کرنے کی بجائے ڈاکوؤں کو پرائیویٹ سکیٹر سے سرکاری تحویل میں لے کر انہیں سرکاری ملازم قرار دے دے (یاد رہے ملازم کی جمع نہیں ہوتا) دہشت گردی اور ڈاکہ زنی ان کی ڈیوٹی میں شامل کر دے۔ پھر دیکھتے ہیں وہ اتنا مشکل سرکاری کام کیسے کرتے ہیں؟ اور کچھ نہیں تو "۲۷ گھنٹوں" میں یہ پتہ چل جائے گا کہ ڈاکہ کس نے مارا؟ یہ قتل کس نے کئے پھر جناب وائیں صاحب غریب پرور تو ہیں ہی اگر کوئی سرکاری ڈاکو آ کر کہے گا کہ میں ایک بندے سے دس لاکھ لوٹ کر لایا ہوں تو یہ ضرور فرمائیں گے "پتہ کرو! اگر وہ بندہ غریب ہے تو پیسے واپس کر دو۔"



جناب ملی کی سوانح نوعمری

ملی کی سوانح حیات اور اس کی وہائٹ ہاؤس میں سرگرمیوں پر مشتمل کتاب چھپ گئی اور بقول صدر بش یہ اب تک سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں سے ایک ہے۔ میں نے موصوف کو نہیں دیکھا لیکن وہ چھریرے بدن، نکھری رنگت، مستانی آنکھوں، پتلی کمر اور خوبصورت چہرے کا مالک ہو گا۔ لیکن مشتاق احمد یوسفی کی طرح مجھے اس کی دم ہی سب سے زیادہ بھائے گی کیونکہ یہ کتے کے جسم کا وہ حصہ ہوتا ہے جو جبڑے سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے۔ سفرنامہ ہو یا سوانح حیات عورت کے بغیر ایسی ہی ہے جیسے دنیا اس کے بغیر۔ ایک بار کسی ادیب سے ایک صحافی نے پوچھا کہ دوران سفر اگر کوئی لڑکی آپ کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھے اور آ کر بے اختیار

اظہار محبت کرنے لگے تو آپ اسے جواب میں کیا کہیں گے تو ادیب نے کہا "میں اسے بتادوں گا کہ بی بی میں مستنصر حسین تارڑ نہیں ہوں۔"

ملی کی سوانح حیات بھی تارڑ کے سفرناموں کی طرح رومینٹک ہے۔ اس سوانح نوعمری میں جس مادہ کا بار بار ذکر آتا ہے وہ امریکہ کی خاتون اول باربرا بش ہے۔ اسے پڑھ کر لگتا ہے ملی نے اتنی اپنی زندگی خود نہیں گزاری جتنی باربرا بش نے گزاری۔ اگرچہ ہم کتوں کو گھر میں رکھنے کے خلاف ہیں کہ اس سے کتوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ بہت کتے ہو جاتے ہیں تاہم ملی کی بات دوسری ہے۔ اس کا وائٹ ہاؤس کے ملازم اتنا خیال رکھتے ہیں کہ گزر رہا ہو تو یوں مودب ہوتے ہیں جیسے باربرا بش گزر رہی ہو۔ یہ وائٹ ہاؤس کا وہ واحد معزز رکن ہے جو انگریزی نہیں بولتا۔ سو اگر اسے کسی مہمان سے ملایا جائے تو ترجمان کے طور پر باربرا بش ساتھ ہوتی ہے۔

اپنی بات کا اس قدر پکا ہے جس بات پر دس سال پہلے "بھوؤں" کہا تھا اب بھی کچھ اور نہیں کہتا "بھوؤں" ہی کہتا ہے۔ باربرا بش کے ساتھ اس کی کئی تصویریں ہیں جن کے نیچے اس کا نام لکھا ہوتا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ ان میں سے ملی کون ہے؟ اب تو لگتا ہے وائٹ ہاؤس میں ہر ڈیلیکیٹ خود کو ڈیلیکیٹ ثابت کرنے کے لئے اپنی بیویوں کے ساتھ ساتھ اپنے کتے بھی لایا کرے گا۔ جیسے اخباروں میں تصویریں چھپیں سات بڑوں کی بیویاں' تو پھر یہ بھی تصویریں چھپا کریں گی سات بڑوں کے کتے یعنی بڑے ہی کتے۔

ایک امریکی سے کسی نے پوچھا "آپ کی طویل عمری اور صحت کا راز کیا ہے؟" اس نے کہا "میں نے شراب اور سگریٹ کو کبھی ہاتھ نہ لگایا تاوقتیکہ میں پانچ برس کا نہ ہو گیا۔" مگر ملی نے شراب اور سگریٹ کو کبھی منہ نہیں لگایا بلکہ اسے یہ سب اس قدر ناپسند ہے کہ وہ تو وائٹ ہاؤس میں آنے والوں کا پہلے منہ سونگھتا ہے۔

کتے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ دو ٹانگوں والے اور چار ٹانگوں والے۔ "نئی انگلش ڈکشنری" میں سترھویں صدی کے بعد سے کتے کا مجازی مفہوم یہ ہے "خوش باش آدمی' مزے کا آدمی' یار دوست۔" مغرب میں کتے کا اس قدر مقام ہے کہ وہاں خاوندوں نے تحریک چلائی کہ ہمیں کتے کے برابر حقوق ملنے چاہئیں۔ وہ لوگ اپنا حسب نسب اتنے فخر سے نہیں سناتے جتنے فخر سے اپنے کتے کا۔

ایک دفعہ ایک نوجوان کسی صاحب کے پاس گیا اور کہا "معاف کیجئے گا کیا

میں آپ سے بات کر سکتا ہوں؟" آدمی نے غور سے دیکھا اور کہا "ضرور ضرور!" نوجوان نے گھبراتے ہوئے کہا "جناب بات یہ ہے.......... میرا مطلب آپ برا تو نہیں منائیں گے۔ اگر میں............" آدمی نے کہا "بالکل نہیں........ میں سمجھ گیا تم میبل سے شادی کرنا چاہتے ہو' مجھے کوئی اعتراض نہیں تم اس سے شادی کر سکتے ہو' مجھے امید ہے تم دونوں پر مسرت ازدواجی زندگی بسر کرو گے" شرمیلا نوجوان بولا "کون میبل جناب؟" وہ شخص بولا: "میری بیٹی میبل اور کون! کیا تم مجھ سے میری بیٹی کا سوال نہیں کرنا چاہتے تھے؟" شرمیلے نوجوان نے کہا "نہیں! میں تو آپ سے یہ کہنا چاہتا تھا دراصل وہ آپ کا کتا.......... اگر آپ مجھے اتوار تک دے دیں تو.........." وہ شخص بولا "کیا؟ میں تمہیں اپنا نسلی کتا کیسے دے سکتا ہوں؟ میں تو تمہیں جانتا تک نہیں"

امریکہ کا سگ اول کم بولتا ہے۔ میرا ایک دوست کہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے' وہ بھی شادی شدہ ہے۔ ملی ہر کام وقت پر کرتا ہے اس نے تو بھونکنے کے بھی اوقات رکھے ہیں اور دوسرے کی اوقات دیکھ کر بھونکتا ہے۔ باربرا بش اگرچہ اس عمر کی ہیں جس میں ہر کسی کو آپ کی عمر کا پتہ چل چکا ہوتا مگر موصوفہ سے کوئی عمر پوچھے تو ملی کی بتا کر باتوں میں لگا لے گی۔ ملی صدر بش کے قابل اعتماد ساتھیوں میں سے ہے کیونکہ دنیا میں کتے سے زیادہ قابل اعتماد ساتھی کون ہے؟ ممکن ہے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت کتے رکھنے کا آرڈر بھی آجائے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں اپنا نصاب جدید "تقاضوں" کے مطابق مرتب کرنا چاہئے یوں اردو کی پہلی کتاب اس طرح ہو گی۔ "ماں کتے کو گود میں لئے بیٹھی ہے' باپ انگوٹھا چوس رہا ہے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے" بہرحال میں تو خود کتا رکھنے کا سوچ رہا ہوں۔ کبھی وائٹ ہاؤس جانا پڑ گیا تو ملی کو بھی منہ دکھانا ہے۔



آپریشن میرج سٹارم

مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے جام صادق علی کو ٹھیک ہی فنکار وزیر اعلیٰ کہا ہے۔ فنکار سے یہاں مراد وہ نہیں جو فن سے کار لیتا ہے' ویسے بھی کار کے کئی مفہوم ہوتے ہیں۔ غریبوں کے لئے کار سے مراد کام ہے اور امیروں کے لئے کار میں بیٹھنا بھی کام۔ لیکن جام صادق علی نے سندھ کے ڈاکوؤں کو ہمیشہ کے لئے "قید" کرنے کے لئے Operation Marriage Strom شروع کر کے بڑی فنکاری دکھائی ہے۔ روایتی آدمی ہے اس لئے جانتا ہے لڑکے جوانی میں بے قابو ہو جائیں تو بڑے بوڑھے بلکہ بڑھے ہوئے بوڑھے ان کے پاؤں میں شادی کی زنجیر ڈالنے کا سوچنے لگتے ہیں۔ شادی معمولی واقعہ نہیں۔ ایک بار ایک سٹیج پر کمپیئر نے اعلان کیا "آج کار کا

خصوصی انعام اس شخص کے لئے ہے جو کم سے کم لفظوں میں دنیا کا طویل ترین جملہ بولے گا۔ وہ حضرات جنہیں یہ مقابلہ قبول ہے وہ کھڑے ہو کر اپنا اپنا نام لکھوا دیں۔" تو ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا "مجھے قبول ہے" اور کمپیئر نے کہا حاضرین اس نوجوان نے آج کا مقابلہ جیت لیا۔

مجھے سندھ کے بدنام ڈاکو محب شیدی کی شادی بھی اسی آپریشن کی ایک کڑی لگتی ہے۔ اس لئے اخبارات اس شادی کی روز یوں خبریں چھاپتے ہیں جیسے شادی کی نہیں شیدی کی گرفتاری کی تاریخ قریب آ رہی ہو۔ کہتے ہیں شیدی بڑا رحمدل ڈاکو ہے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ میرا ایک دوست کہتا ہے یہ کونسی خوبی ہے۔ میرا باپ بھی سارا دن بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے' وہ ہوٹل میں بیرا ہے۔ اطلاع کے مطابق شیدی نے شادی کے لئے جو ہیروں کا ہار لیا وہ اسے پانچ لاکھ میں پڑا۔ ویسے ہار کی بڑی بڑی قیمتیں ہیں۔ یقین نہ آئے تو نواب زادہ نصراللہ خان' پیرپگاڑو' مولانا شاہ احمد نورانی اور اصغر خان سے پوچھیں کہ ہار کی کیا قیمت ادا کرنا پڑتی ہے؟ لیکن مجھے لگتا ہے شادی پر جام صادق علی۔ شیدی کو ہار دے جائے گا۔ ممکن ہے ڈاکو شیدی ہار پہنانے کے بعد بیوی سے پوچھے کہ تمہاری سہیلیوں کو کیسا لگا؟ اور وہ کہے "سب نے پسند کیا کچھ نے تو پہچان بھی لیا۔"

ہم جیسوں کو پوری زندگی میں ایک بار اس وقت سلامی ملتی ہے جب ہماری شادی ہوتی ہے۔ ممکن ہے ڈاکو شیدی نے بڑے بڑے افسروں سے سلامی لینے کے لئے شادی کا ارادہ کیا ہو۔ یوں شادی پر وہ اپنی ساری برادری کو تو بلائے گا اور ہو سکتا ہے پولیس والوں نے چھٹی کے لئے درخواستیں دے بھی دی ہوں۔

مجھے لگتا ہی اس آپریشن سے تمام ڈاکوؤں کو باری باری "دولہا" بنا دیا جائے گا تاکہ ڈاکوؤں پر نظر رکھنے کے لئے پولیس کی بے شمار نفری کی ضرورت نہ رہے۔ بیوی سے زیادہ خاوند پر کون نظر رکھ سکتا ہے۔ ایک تھانے دار کے گھر چوری ہو گئی چور سامان لے گیا اور تھانے دار کی بیوی سوئی رہی۔ جب چور پکڑا گیا سامان برآمد ہو گیا مگر تھانے دار چور سے یہی پوچھتا رہا کہ تم میرے گھر میں داخل کیسے ہوئے تھے؟ چور نے کہا' "آخر آپ بار بار یہ کیوں پوچھتے ہیں؟" تو تھانے دار نے کہا "اس لئے کہ میں تو جب بھی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہوں۔ میری بیوی کی فوراً آنکھ کھل جاتی ہے" پھر بندہ ذرا لیٹ ہو جائے تو حبیب جالب والا حال ہوتا ہے۔ رات کو حبیب جالب آ رہے تھے کہ پولیس نے گھیر لیا کہ اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہیں؟ حبیب جالب صاحب نے

کہا' "لیکچر سننے۔" پولیس والے نے گھور کر پوچھا' "رات کو اس وقت ان گلیوں میں لیکچر کہاں ہو رہا ہے؟" تو حبیب جالب نے کہا "دیر سے گھر جا رہا ہوں میری بیوی لیکچر دے گی۔" سو ڈاکو شیدی ان مصروفیات میں سے ڈاکے مارنے کے لئے وقت کہاں سے نکالے گا؟

ایمرسن کہتا ہے "آدمی پر اس کی بیوی کے اختیارات حکومت سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔" اسی لئے تو جونیجو دور میں اندرونی سندھ میں ایک تقریب میں وزیر اعظم صاحب کو آنا تھا۔ دیر ہو گئی تو وہاں استقبال کے لئے بیٹھے کچھ معززین نے اٹھ کر کہا' "سائیں ہمیں اجازت دیں ہمارا ڈاکے کا وقت ہو گیا ہے" اگر بیوی نے آنا ہوتا تو دیکھتے کیسے انتظار نہ کرتے۔ یوں ڈاکو محب شیدی جو حکومت کے قابو میں نہ آتا تھا' بہت جلد "عمر قید" ہونے والا ہے۔ ویسے اس کی شادی کے موقع پر اس کی دلہن کو اس "گرفتاری" پر حکومت کی طرف سے انعام ملنا چاہیے۔



تلاش گمشدہ

مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کا پچھلے دنوں اخبار میں ایک بیان پڑھا۔ بیان کیا تھا' اشتہار برائے تلاش گمشدہ تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ مولانا عبدالستار خان نیازی جہاں کہیں ہوں واپس پارٹی میں آجائیں۔ ایسے اشتہار اکثر عزیز رشتہ دار بچوں کے گھر سے بھاگ جانے کے بعد اخبار میں دیتے ہیں ویسے تو مولانا عبدالستار خان نیازی کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی' ان کا شناختی نشان ان کی دستار ہے وہ بھی ایسی کہ آپ انہیں مولانا دستار نیازی کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال وہ میاں والی کے میاں ہیں۔ ظہیرالدین بابر دو آدمی بغل میں دبا کر دوڑ لگا سکتا تھا تو یہ آدھی جمعیت علماء پاکستان بغل میں دبا کر چل سکتے ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا کے اس طرح چلے

آنے سے اداس چلے آرہے ہیں اور پان سے غم غلط کرتے ہیں۔ پان کھانے میں انہوں نے پی ایچ ڈی کی ہے' گلوری منہ میں یوں دباتے ہیں جیسے کلرک فائل دباتے ہیں۔ اقوام متحدہ سے خوش ہوں تو اسے بھی قوام متحدہ کہیں گے۔ مولانا نورانی صاحب گفتگو میں الفاظ کا چناؤ یوں کرتے ہیں جیسے جمعیت علماء پاکستان کے عہدیداران کا چناؤ کر رہے ہوں۔ ان کا جلسہ سن کر بندہ آرہا ہو تو لگتا ہے محفل سماع سن کر آرہا ہے۔ گلا تک عربی سے صاف کرتے ہیں۔ عربی' فارسی' اردو' انگریزی سواحلی اور فرانسیسی ایسی روانی سے بولتے ہیں کہ ساتھ سننے والے کو بہالے جاتے ہیں اور اہل زبان کو حیران کر دیتے ہیں۔ انگریز اہل زبان ہمیں بھی انگریزی بولتا دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں' "یہ کیا کہہ رہا ہے؟ جبکہ مولانا عبدالستار نیازی یوں بولتے ہیں کہ لگتا ہے انگریزی' انگریز کی مونث ہے۔ مولانا نورانی کو ہم منجھے ہوئے سیاست دان اور پیر پگاڑا کو منجھلے سیاست دان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ملک ملک کا پانی پیا بلکہ ملک ملک کا پان کھایا ہے' کبھی کبھی پاکستان کے دورے پر تشریف لاتے ہیں تو تھکن جماعت اسلامی پر اتارتے ہیں۔ جماعت اسلامی پر فقرہ یوں پھینکتے ہیں جیسے پان کھاتے ہوئے پیک۔ یہاں پیک کو زیر لگا کر پڑھیں زبر لگا کر زیر و زبر نہ کریں۔

جس کمرے میں بیٹھ جائیں وہ ان سے لبالب بھر جاتا ہے۔ پسندیدہ فرنیچر گول میز ہے۔ ہر کسی کو گول میز پر دعوت دیتے ہیں۔ مولانا نیازی کو نہ دی ورنہ اس اشتہار کی ضرورت نہ رہتی۔ اسمبلی میں ان کے ارکان کی تعداد اتنی ہی ہوتی ہے کہ ساتھ تقریباً لگانا پڑتا ہے۔ دوران گفتگو کرسی پر یوں پہلو بدلتے ہیں جیسے حنیف رامے پارٹیاں بدلتے ہیں۔ انداز گفتگو ایسا کہ بندہ ان کی گفتگو سن رہا ہو تو سمجھتا ہے کہ گفتگو کر رہا ہے۔

مولانا نیازی اینٹ کا جواب پتھر سے تو نہیں دیتے البتہ پتھر کا جواب اینٹ سے ضرور دیتے ہیں۔ ایک ایسے ہی کنوارے شخص سے کسی نے کہا "اگر تم نے شادی نہ کی تو یاد رکھنا کوئی دوست تمہارے جنازے میں نہیں آئے گا۔" تو اس نے کہا' "کوئی بات نہیں میں خود ان کے جنازوں میں چلا جاؤں گا۔" ویسے مولانا دستار نیازی دل کے اتنے اچھے ہیں کہ جس کے جنازے پر جا رہے ہوں اسے بھی درازی عمر کی دعائیں دیتے جائیں گے۔ غصے میں آجائیں تو اپنی دعائیں تک واپس لے لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ واپس جاتے ہیں یا مولانا نورانی مایوس ہو کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ میں انہیں اپنی تمام بقیہ منقولہ اور غیر منقولہ پارٹی سے عاق کرتا ہوں۔



بھوک ہڑتال

پہلے لوگ اپنا وزن کم کرنے کے لئے سلمنگ سنٹروں کے چکر لگاتے تھے میرے ایک دوست نے بھی بیرون ملک ایک سلمنگ سنٹر سے سو پونڈ کم کئے۔ میں نے پوچھا' "کیسے؟" کہنے لگا "جب میں سلمنگ سنٹر میں گیا تو میرے پاس ڈیڑھ سو پونڈ تھے۔ باہر نکلا تو میری جیب میں صرف پچاس پونڈ رہ گئے تھے۔" محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھی کارکنوں اور سیاست دانوں کو سمارٹ اور ایکٹو بنانے کے لئے بھوک ہڑتال کا اہتمام کیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ علامتی ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کم سے کم وقت کی بھوک ہڑتال سے مستفید ہو سکیں۔ مجھے لگتا ہے یہ حکومت کی بجائے سلمنگ سنٹرز کا کاروبار ٹھپ کرنے کے لئے ہے۔ بہرحال دیکھتے ہیں اس کے ہماری سیاست پر کیا

نقوش مرتب ہوتے ہیں؟

مجھے یقین ہے کہ محترمہ کو بھوک ہڑتال کا یہ مشورہ کسی سیاستدان نے نہیں کسی سیانے ڈاکٹر نے دیا ہے۔ اگرچہ محترمہ کی اپنی صحت تو ہمارے جیسی ہی ہے اور ہماری صحت ایسی ہے کہ ایک بار پارسل بھیجنا تھا' سو ڈاک خانے گئے تو انہوں نے کہا "فوری ڈیلیوری (یہاں ڈیلیوری سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں) کے لئے پندرہ روپے لگیں گے اور روٹین میں دس روپے" ہم نے کہا "بھئی کوئی جلدی نہیں بس ہماری زندگی میں یہ منزل پر پہنچ جانا چاہئے" تو انہوں نے ہمیں سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا "ٹھیک ہے نکالیں پندرہ روپے" محترمہ تو پہلے ہی ایسی ہیں کہ کسی نے کہہ دیا' انہوں نے سالم انڈہ کھایا ہے تو ناہید خان کو وضاحت کرنا پڑی کہ سالم انڈا نہیں کھایا توڑ کر کھایا ہے۔ بہرحال انہوں نے "بڑے پیٹ" کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیاست دان اور پیٹ میں یہ قدر مشترک ہے کہ پیٹ ہمیشہ بھول جاتا ہے کہ ہم نے اسے پہلے کیا دیا اور جونہی خالی ہوتا ہے درد کرنے لگتا ہے۔ ایڈلائی سٹیونسن نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جس کا پیٹ خالی ہوتا ہے وہ آزاد آدمی نہیں ہوتا۔ یوں ہمارے ملک میں سیاست دان ہی آزاد ہیں۔

علامتی بھوک ہڑتال کا مفہوم مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتا ہے جیسے اگر خواجہ ناظم الدین ہوتے جو اپنے ہاضمے کی وجہ سے خواجہ ہاضم الدین کہلاتے تھے۔ تو علامتی بھوک ہڑتال کا مطلب یہ ہوتا کہ صرف ایک چرغہ کھائیں گے۔ نواب زادہ نصراللہ خان کی علامتی بھوک ہڑتال کا مطلب ہوتا سارا دن حقہ نہیں پئیں گے۔ مولانا نورانی کا ہوتا پان نہیں کھائیں گے جبکہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی بھوک ہڑتال کا مطلب یہ ہے کہ دوپہر کو ابلے آلو نہیں کھائیں گی' محترمہ کو آلو پسند ہیں۔ بھٹو مرحوم کو بھی اتنے پسند تھے کہ جسے پسند کرتے اسے "آلو خان" کہتے۔ اس بھوک ہڑتال میں ملک قاسم کے ساتھ اصغر خان بھی پیش پیش ہیں۔ اگرچہ ان کا تو پہلے ہی کوئی وزن نہیں وہ کم کیا کریں گے؟ ایک شخص نے کہا "ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان بھوک ہڑتال کرنے اسلام آباد جا رہے ہیں۔" تو دوسرے نے کہا "اس دن اسلام آباد کہاں جا رہا ہے؟"

شیخ رشید جو پیپلز پارٹی کے سینئر نائب صدر ہیں' اس قدر مستقل مزاج ہیں کہ جب بلاول پارٹی کا چیئرمین ہوگا تب بھی یہی نائب صدر رہوں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ

بھوک ہڑتال جوان لوگوں کا کام ہے۔ یوں انہیں جوان ہونے کا ایک موقع مل رہا تھا مگر اپنی طبیعت کے ہاتھوں رہ گئے۔ وہ تو پیڑھی پر بیٹھے ہوں تو کہا جائے کرسی پر بیٹھ جائیں تو پیڑھی سمیت کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کریں گے۔

ویسے محترمہ اگر بھوک ہڑتال ماہانہ کر دیں اور ایک دن کا کھانا ان لوگوں کو بھجوا دیا کریں جن کے ہاں پورے مہینے بھوک ہڑتال رہتی ہے بلکہ وہاں بھوک ہی تو ہوتی ہے جو ہڑتال پر نہیں ہوتی' کھانا ہڑتال پر ہوتا ہے۔ سیاست دانوں کو ان بھوکوں کے دکھ بانٹنے چاہئیں جیسے ایک خاتون نے ہونے والے خاوند سے کہا' "شادی کے بعد میں آپ کے دکھ بانٹا کروں گی۔" اس نے کہا "مگر مجھے تو کوئی دکھ نہیں۔" تو وہ بولی "میں شادی کے بعد کی بات کر رہی ہوں۔" شاید اسی لئے ہر سیاست دان یہی کہتا ہے اگر میں جیت گیا تو آپ کے دکھ بانٹوں گا۔

دیکھتے ہیں بھوک ہڑتال سے کہیں ان کے وزن کے ساتھ ساتھ ان کی باتوں کا وزن بھی نہ کم ہو جائے۔ ایک بار ایک خاوند کو بیوی نے ہسپتال سے فون کیا اور کہا "ہسپتال میں دو ہفتے قیام سے میرا آدھا وزن کم ہو گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے گھر آ جاؤں یا ابھی ایک آدھ دن وہیں رہوں۔" تو شوہر نے جواب دیا' "تمہیں تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی مزید دو ہفتے ہسپتال میں ضرور قیام کریں۔"



چھٹی کی چھٹی

میرا تجربہ ہے کہ سکول سے گھر کا فاصلہ کم اور گھر سے سکول کا فاصلہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ سکول جا کر مجھے بڑی خوشی ہوتی اور یہ خوشی اس وقت ہوتی جب چھٹی ہوتی۔ سو جب زاہد سرفراز نے کہا کہ اسمبلی کی چھٹی ہونی چاہئے تو مجھے سکول کی آدھی چھٹی ساری یاد آ گئی۔ ویسے اگر گرمیوں میں سکولوں میں چھٹیاں ہو سکتی ہیں تو اسمبلی میں کیوں نہیں؟ یہ بھی تو سیاسی سکول ہی ہیں کیونکہ آج کل ہر سیاستدان سرگرم ہے یعنی اس کا سر گرم ہے۔ زاہد سرفراز تو اتنے گرم ہیں کہ ان پر پانی ابالا جا سکتا ہے۔ لیکن چھٹی کی انہوں نے یہ علامات بتائی ہیں کہ وزیر اعظم کرکٹ کھیل رہے ہیں' گانے گا رہے ہیں اور ایئر گن سے غبارے پھاڑ رہے ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے زاہد سرفراز سکول کم ہی گئے ہیں کیونکہ انہوں نے جو ساری علامات بتائی ہیں وہ تو چھٹی کے بعد کی ہیں۔

زاہد فیصل آباد کے سیاسی نشیب و فراز میں سرفراز ہے۔ ابھی تک پہلی جماعت میں ہے۔ فیصل آباد کی اکیلی بلند آواز ہے جو پہلے اکیلی ہونے کی وجہ سے بلند تھی اب بلند ہونے کی وجہ سے اکیلی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں جیتنے کے باوجود پی این اے کے لئے فیصل آباد سے جلوس نکالا کہ دھاندلی ہوئی ہے۔ کسی نے کہا' "مگر آپ تو جیت گئے ہیں" تو کہا "اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ دھاندلی ہوئی ہے۔"

کہتے ہیں "کرسی لینے کی خواہش نہیں۔" ویسے ماشاء اللہ ان کے گھر میں ہر قسم کا فرنیچر پہلے ہی ہے۔ حزب اقتدار میں ہو کر حزب اختلاف کا رول ادا کرتے ہیں اور پی ڈی اے ان کے بیان توجہ سے سنتی ہے۔ ایسے ہی سیاہ فام باشندوں کے حقوق کی حمایت میں ایک سیاسی لیڈر نے اجتماع سے خطاب کرنا تھا۔ جب وہ سٹیج پر آیا تو وہ سفید فام تھا۔ حاضرین نے احتجاج شروع کر دیا تو سیاہ فام منتظم نے سٹیج پر آ کر کہا' "آپ لوگ اس کے سفید چہرے پر نہ جائیں اندر سے یہ کالا ہی ہے اس کی بات غور سے سنیں۔"

مزاج ایسا کہ الیکشن کے دنوں میں سارا دن کھڑا رہتا کہ بیٹھ گیا تو مخالفین یہ اعلان نہ کر دیں کہ میں بیٹھ گیا ہوں۔ نواز شریف سے خوش نہیں۔ ایک ایسا لیڈر مجھے بھی ملا بولا' "میں نواز شریف کے بیانوں سے بہت پریشان ہوتا ہوں۔" میں نے کہا "مگر ان بیانوں میں تو آپ کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔" تو وہ بولا' "اسی لئے تو پریشان ہوں۔"

زاہد سرفراز نے مزید کہا کہ سوچ رہا ہوں ان حالات میں اسمبلی کے باہر رہ کر اپنا کردار ادا کروں یا اندر رہ کر۔ فلمی اداکارہ الزبتھ ٹیلر سے کسی نے پوچھا' "آپ کا پسندیدہ اداکار جس کی پرفارمنس سے آپ متاثر ہوئی ہوں؟" تو وہ بولی' "خاوند۔" سوال کرنے والے نے پوچھا "اس کے علاوہ دوسرا پسندیدہ اداکار؟ تو اس نے کہا: "دوسرا خاوند" لیکن خاوند تو مقامی اداکار ہوتا ہے' قومی اداکار تو سیاستدان ہوتے ہیں۔ زاہد سرفراز اس قدر سچ بولتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا "میری گھڑی صحیح وقت بتاتی ہے" تو انہوں نے فرمایا "غلط تمہاری گھڑی وقت کب بتاتی ہے؟ تمہیں خود دیکھنا پڑتا ہے۔"

وزیر داخلہ تھے' تو محلے کے لوگ بچوں کو سکول میں داخلہ دلوانے آجاتے تھے۔ اس وقت بھی موصوف کو چھٹی اس قدر پسند تھی کہ امریکی سفیر کو چھٹی کی "آفر" کر دی۔ اب ان کی چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ چھٹی ہونے والی ہے۔ دولت سیاست دان کی چھٹی حس ہوتی ہے پہلی پانچ حسوں کے بغیر سیاست ہو سکتی ہے مگر چھٹی حس کے بغیر ممکن نہیں۔ دیکھتے ہیں' آدھی چھٹی ساری ہوتی ہے یا چھٹی کی چھٹی ہو جاتی ہے۔



چلتے ہو تو جیل کو چلیے

محترمہ بے نظیر بھٹو ہر بات عوام کی بھلائی کے لئے کرتی ہیں۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ آصف زرداری کو ابھی جیل میں رہنا چاہئے کہ جیلیں باہر سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اس خبر کے پہلے حصے میں عوام کی کتنی بھلائی ہے اس کا میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ دوسرا حصہ مجھے بیان کم اور جیل کی پبلسٹی کمپین زیادہ لگا ہے۔ لیکن اسے پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اس دور میں بھی کوئی تو محفوظ جگہ ہے جہاں بندہ دہشت گردوں' ڈاکوؤں اور تخریب کاروں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ایپی کٹیٹس نے کہا تھا "جب بھی بندہ اپنی مرضی کے خلاف کام کرتا ہے وہ جیل میں ہوتا ہے۔" جیل اور گھر میں یہ فرق ہے کہ وہ گھر جہاں بندے کی مرضی نہ چلے وہ جیل ہے۔ شادی کے بعد دونوں میں فرق کرنا

مشکل ہو جاتا ہے سو آسانی کے لئے یہ فرق رکھا گیا کہ جہاں بیوی ساتھ نہ ہو وہ جیل۔ بھٹو دور میں وزیر جیل خانہ جات نے جیلوں کو فروغ دینے کے لئے کہا تھا' "میں پاکستان میں جیلوں کا جال بچھا دوں گا۔" اب وہ مجھے بڑا دور اندیش وزیر لگتا ہے۔ ضیاء دور میں بھی دور اندیش وزیروں کی کمی نہ تھی۔ ایک وزیر کو فلاحی کاموں کے لئے رقم ملی' اسے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ یہ رقم بیواؤں کے سلائی سکول کو دے یا یتیموں کے ادارے کو۔ سو اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد ساری رقم جیل کی حالت سدھارنے پر لگا دی۔ کسی نے پوچھا' "آپ نے یہ کیوں کیا؟" تو اس نے کہا' "مجھے کبھی بیواؤں کے سکول میں داخلے کی ضرورت تو پڑے گی نہیں' پھر یتیم خانے میں بھی مستقبل میں میرے رہنے کا امکان نہیں' حکومت بدلی تو جیل آنا جانا رہے گا سو کیوں نہ جیل کی حالت سدھار لی جائے۔" ویسے دور اندیش تو محترمہ بے نظیر بھٹو بھی بہت ہیں اسی لئے انہوں نے کہا ہے کہ بلاول فوجی جرنیل بنے گا یا پھر وکیل۔ یعنی اگر فوجی جرنیل بن گیا تو حکومت کرے گا اور دوسری صورت میں وکیل تو ہونا چاہئے تاکہ اپنے اوپر کئے گئے مقدمات کو نمٹا سکے کیونکہ ہمارے ہاں جسے حکومت نہ ملے اسے جیل ملنے کے مواقع تو ہوتے ہیں۔ مگر اب تو لگتا ہے سفارش کے بغیر جیل کے پاس بھی نہ پھٹک سکیں گے۔ ایک ایسا ہی ملزم عدالت میں رونے لگا اس کے وکیل نے پوچھا' "کیوں رو رہے ہو؟" بولا "اس لئے کہ میرے خاندان میں آج تک کسی نے جیل نہیں دیکھی۔" وکیل نے تسلی دیتے ہوئے کہا "فکر ہی نہ کرو' میرا وعدہ ہے تمہیں ضرور دکھاؤں گا۔" ایک مغربی ملک کی سڑک پر بورڈ لگا تھا "ٹریفک کے اصولوں کی پاس داری کریں اور شہر کی سیر کریں۔ خلاف ورزی کریں اور ہماری جیلوں کی سیر کریں۔"

ہم پر اللہ کا پہلے ہی فضل ہے کہ جیلوں کے معاملے میں ہم امریکہ سے بھی آگے ہیں۔ ہمارے پاس تو اس دور کی جیلیں بھی ہیں جب ابھی جیلیں بننا شروع بھی نہیں ہوئی تھیں۔ پھر جیل میں وقت تیزی سے ضائع نہیں ہوتا کیونکہ ایک ایک دن سال سال کا ہوتا ہے۔ وہاں بندے کو ملازمت کے لئے مارا مارا نہیں پھرنا پڑتا۔ شاعروں کے لئے تو جیل سے بہتر جگہ ہو ہی نہیں سکتی کہ دنیا کی یہ واحد جگہ ہے جہاں سے سامعین کے بھاگنے کا ذرا اندیشہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر کوئی منہ اٹھا کر ادھار مانگنے نہیں آسکتا۔ میں تو کہتا ہوں جیسے بنکوں میں قیمتی چیزیں رکھنے کے لئے لاکرز ہوتے ہیں ایسے ہی جیلوں میں بھی ہونے چاہئیں۔ جہاں ہم اپنے بچے' تاجر' سیاستدان اور ہر وہ قیمتی انسان جسے جان کا خطرہ ہو یا اغوا کا ڈر ہو اسے رکھ سکیں یا پھر حکومت جیل ہاؤسنگ

سکیم شروع کرے اور جیل میں پلاٹ الاٹ کئے جائیں۔ اس کا انچارج غلام حیدر وائیں کو بنایا جائے تاکہ سب کو میرٹ پر الاٹ ہوں کیونکہ ان کے کسی قریبی کو بخار بھی ہو جائے تو ڈاکٹر کو کہیں گے "میرٹ پر دوائی دینا۔" بہرحال اسی (۸۰) سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کو پہلے جیل جانے کا موقع دیا جائے بشرطیکہ وہ ساتھ اپنے والدین کو لائیں۔ پہلے جیلوں میں دہشت گرد' ڈاکو' رشوت خور' اور قانون شکن ہوتے تھے مگر اب یہ اتنے ہو گئے ہیں کہ جو چند شریف شہری بچے ہیں انہیں جیلوں میں بند کر دیا جائے تاکہ وہ ڈاکوؤں اور تخریب کاروں سے محفوظ ہو سکیں۔



بے غم صاحبہ

انگریزی کہاوت ہے بے وقوف کا سر کبھی سفید نہیں ہوتا۔ سو میں محاورتاً بے وقوف ہونے سے بال بال بلکہ دو تین بال سے بچا ہوا تھا۔ اگرچہ اس دوران کیمسٹ کے پاس جا کر یہ پوچھا کہ آپ کے پاس سفید بالوں کے لئے کچھ ہے تو اس نے کہا، "میرے پاس سفید بالوں کے لئے احترام کے سوا کچھ نہیں ہے۔" لیکن جب سے بیگم عابدہ حسین نے یہ کہا ہے کہ ہمارے عوام ہر لحاظ سے بے وقوف واقع ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مجھے تو یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ آخر انہیں میرے بارے میں یہ پتہ کیسے چلا؟

محترمہ، وزیر اعظم نواز شریف کے اس شعبے میں مشیر ہیں، جس کی

"پیداوار" میں ہم بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے آگے ہیں اور محترمہ کو اس "پیداوار" میں کمی کرنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ بیگم عابد حسین اس "نشیمن" میں پیدا ہوئیں جو اتنا بڑا تھا کہ کوئی بدھ کو ملنے آتا تو چوکیدار کہتا "آپ برآمدوں میں چلتے جائیں، جمعرات کو دائیں طرف مڑ جائیں"۔ محترمہ کی پیدائش سے قبل وہاں ہر طرف شمعیں جل رہی تھیں۔ البتہ موصوفہ کے پیدا ہونے کے بعد صرف ان کی نانی جان جل رہی تھیں۔ لیڈی مراتب کو پانچ ہزار ایکڑ کا وارث نہ ملا تو عابدہ حسین کو عابد حسین بننا پڑا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو نے انہیں خواتین کی نشستوں پر کھڑا ہونے کو کہا تو بیگم صاحبہ نے پیپلز پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ اب بھی لہجہ ایسا کہ کہیں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں تو لگے گا کہہ رہی ہیں "مردوں کو عورتوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں۔" انگریزی ایسی کہ شیر افگن بھی شیر اف گن بن جاتا ہے۔ ایک منٹ میں اسے Translate کر کے رکھ دیتی ہیں۔ موصوفہ مغرور نہیں۔ ایک بار کسی گاؤں میں الیکشن مہم کے سلسلے میں گئیں تو وہاں ایک عورت نے پوچھا، "بیگم صاحبہ! سنا ہے آپ بہت مغرور ہیں؟" تو کہا "ہرگز نہیں، اگر مغرور ہوتی تو تم جیسے بے حیثیت لوگوں سے ووٹ مانگنے آتی؟" پریس کانفرنس سے یوں خطاب کرتی ہیں جیسے صحافیوں کی کلاس لے رہی ہوں، حالانکہ اکثر سیاست دانوں کا یہ حال ہے کہ صحافی انہیں بتاتے ہیں کہ جناب آج آپ نے پریس کانفرنس میں کیا کہنا ہے۔ کوئی محترمہ سے پوچھے کہ آپ نے کسی سیاسی مسئلے پر کبھی سنجیدہ سٹینڈ لیا؟ تو ہو سکتا ہے کہیں میں نے کئی برس پہلے چینی پر سٹینڈ لیا تھا، تب سے چائے میں چینی نہیں لے رہی۔ وہ ہماری قابل "فخر" سیاست دان ہیں۔ یہاں فخر سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ ویسے وہ مسز فخر امام ہیں جو فخر کی بات ہے۔ یاد رہے فخر صاحب وہ امام ہیں جو آئین کے پنج وقتی پابند ہیں۔ ان سے کہا جائے، "کیسا پیارا پیارا چاند نکلا ہے۔!" تو کہیں گے، "ہاں آئین کے مطابق لگتا ہے۔"

انہوں نے ہمیں بے وقوف کہا ہے تو پھر ٹھیک ہی کہا ہو گا۔ ہم تو اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بے وقوف اللہ نے نہیں، سیاست دانوں نے بنایا ہے۔ البرٹ ہلیوبارڈ تو کہتا ہے "ہر آدمی دن میں پانچ منٹ کے لئے مکمل بے وقوف ہوتا ہے۔" سٹالن کے دور میں کسی شخص نے ایک وزیر کو بے وقوف کہہ دیا تو اس شخص پر عدالت میں مقدمہ چلا اور قید ہوئی کہ اس شخص نے اہم قومی راز کو افشا کیا ہے۔ ہمارے ایک وزیر نے اپنے متعلقہ سیکرٹری کو بلا کر کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے لوگوں کو یہ کہتے ہو

کہ میں بے وقوف ہوں۔ تو اس نے کہا، "جناب! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، یہ بات میں نے نہیں بتائی، انہیں پہلے ہی سے پتہ تھی۔" ایسے ہی ایک سیاست دان اخبار کے ایڈیٹر کے پاس گئے اور کہا "آپ نے میرے متعلق چھاپا ہے کہ میں احمق اور بے وقوف ہوں۔" تو ایڈیٹر نے کہا، "جناب! یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہم پرانی خبریں نہیں چھاپتے۔"

دو بے وقوف مل کر ایک عقلمند نہیں بن سکتے، میاں بیوی بن سکتے ہیں۔ ایک بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھے آج پتہ چلا ہے میں نے جو تم سے محبت اور شادی کی، وہ میری بے وقوفی تھی۔ تو خاوند بولا "مجھے پہلے ہی پتہ تھا مگر میرا خیال تھا، آہستہ آہستہ تم کو عقل آجائے گی۔" ویسے بندہ اتنا عقلمندوں سے نہیں سیکھتا جتنا بے وقوفوں سے، اسی لئے سیاستدان ہر بار ان پڑھ عوام کی طرف "رجوع" کرتے ہیں۔ ویسے پڑھا لکھا بے وقوف، ان پڑھ بے وقوف سے زیادہ بے وقوف ہوتا ہے۔

جیکب ایم بروڈ تو کہتا ہے، "بوڑھے بے وقوف سے بڑا بے وقوف دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ اسے تجربے میں مات نہیں دے سکتے۔" میں نے ایک بار سیاستدان کو "بے وقوف دوست" لکھ دیا تو ہر کسی نے کہا، "میں نے یہ غلط لکھا ہے" کچھ نے کہا "بے وقوف غلط لکھا ہے" اور کچھ نے کہا "دوست۔" بہرحال میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ برٹرینڈ رسل نے جمہوریت کے گہرے مشاہدے اور تجربے کے بعد ہی یہ کہا تھا "جمہوریت نے مجھے یہی سبق سکھایا ہے کہ ایک ذہین و فطین آدمی کی نسبت بے وقوف آدمی زیادہ ایماندار ہوتا ہے۔" اور ہمارے سیاستدان بلاشبہ عوام سے زیادہ ذہین ہیں۔



انجمن بیزاران سیاست

لیجئے صاحب! مردان میں انجمن بیزاران سیاست بھی بن گئی۔ فلم میں انجمن بنانا اتنا آسان نہیں' چار عورتیں اکٹھی ہوں تب ایک "انجمن" بنتی ہے اور مردان تو شروع ہی مرد سے ہوتا ہے۔ بہرحال یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ غیر سیاسی انجمن ہے اگر یہ بھی بتا دیا جاتا کہ یہ غیر فلمی بھی ہے تو اور بہتر ہوتا۔ انجمن بنانے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ سیاست دان ہمیں مسلسل الو بنا رہے ہیں۔ اس سے لگتا ہے یہ انجمن سیاست دانوں کے خلاف نہیں الوؤں کے خلاف بنائی گئی ہے۔

ایک صحافی نے سیاست دان سے پوچھا "پچھلے سالوں میں آپ نے ملک میں کیا تعمیری کام کیا؟" تو وہ بولا: "آپ میرے "سالوں" کو بیچ میں مت لائیں اور جہاں

تک تعمیری کاموں کا تعلق ہے اپنی کوٹھی تعمیر کروا رہا ہوں۔" لیکن اس انجمن کے بقول تو سیاست دان کوٹھیاں نہیں' الو بنا رہے ہیں۔ ویسے الو بنانا آسان کام نہیں۔ ڈرائنگ کا ماسٹر مجھے ہمیشہ کہتا: "الو بناؤ۔" مگر مجھ سے نہ بنتا تو غصے سے کہتا: کبھی الو دیکھا ہے؟" میں شرم سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا تو کہتا "ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو میری طرف دیکھو۔"

الو وہ پرندہ ہے جس کے بہت "پٹھے" ہوتے ہیں۔ الو دو قسم کے ہوتے ہیں کم الو اور بہت ہی الو۔ ہمارے ہاں اتنا الو کو بیوقوف نہیں سمجھا جاتا جتنا بے وقوف کو الو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ مغرب میں تو یہ دانش کی علامت ہے۔ گوجرانولہ کے بلدیاتی انتخابات میں امیدوار "جناب گلو صاحب" کھڑے تھے۔ مخالف امیدوار نے اپنے جلسے میں نعرہ لگوا دیا "ایک الو سو گلو۔" جناب گلو نے جوابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اندازہ لگائیں میرے مخالفین کتنے ان پڑھ اور جاہل ہیں۔ انہیں یہ تک نہیں پتہ کہ الو عقل اور دانش کی علامت ہے۔ اس لیئے ان بے وقوفوں نے اگر نعرہ لگانا ہی ہے تو یہ لگائیں۔ "سو الو ایک گلو۔" ان دلائل میں اتنا وزن ہے جتنا جارج برناڈشا کی اس تقریر میں تھا۔ جو وہ اپنے دوست کی الیکشن مہم کے سلسلے میں کر رہے تھے۔ ڈائس موجود نہ تھا سو لکڑی کے ڈرم پر کھڑے ہو کر پرجوش انداز میں تقریر کر رہے تھے کہ زور پڑا اور ڈرم ٹوٹ گیا جس سے برناڈشا اندر گر گئے۔ مگر دوسرے ہی لمحے ڈرم سے نکل کر اطمینان سے بولے: "سامعین آپ نے میرے دلائل کا وزن ملاحظہ کیا"

الو اس وقت بولتا ہے جب سب چپ ہوتے ہیں۔ یوں جو اپنے بولنے کے لئے دوسروں کے چپ ہونے کا انتظار کرے اسے آپ الو کہہ سکتے ہیں۔ سندھ اسمبلی کے قائم مقام قائد حزب اختلاف نثار کھوڑو نے کہا ہے کہ آج کل سندھ اسمبلی میں الو بول رہے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اسمبلی میں بلند آواز میں بولتے ہوئے کہی۔

ہو سکتا انجمن بیزاران سیاست کے مقابلے میں انجمن بازاران سیاست بھی بن جائے جو سیاست کے بازار میں ریٹ لسٹیں آویزاں کروائے اور "ہارس ٹریڈنگ" کی صنعت کو فروغ دے۔ ویسے عجیب بات ہے ہر ماں یہ تو چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر حکمران بنے۔ مگر کوئی ماں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر سیاست میں آئے۔ نکیتا خروشچیف نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ سیاست میں دنیا کے تمام سیاست دان ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ تو وہاں پل بنانے کا وعدہ کر دیتے ہیں جہاں کوئی دریا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ایک محفل میں چین کے وزیر اعظم چواین لائی اور روس کے خروشچیف اکٹھے

ہوئے خروشچیف نے اپنی عظمت بیان کرنے اور چواین لائی کو نیچا دکھانے کے لئے کہا: "مسٹر چواین لائی آپ چین کے نہایت امیر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور میں روس کے انتہائی غریب طبقے سے۔" چواین لائی نے کہا: "مسٹر خروشچیف ایک بات ہم دونوں میں مشترک ہے۔" خروشچیف نے پوچھا "کونسی؟" چواین لائی نے کہا: "ہم دونوں نے اپنے اپنے طبقوں کو الو بنایا ہے۔" ہماری سیاست کا منشور ہی یہ ہے کہ غریبوں کو کہتے ہیں ہمیں ووٹ دو ہم تمہیں سرمایہ داروں سے بچائیں گے اور سرمایہ داروں کو کہتے ہیں ہمیں مال دو ہم تمہیں غریبوں سے بچالیں گے۔"

کہتے ہیں آپ سیاست میں سچ کو گھسیڑیں گے تو سیاست ختم کر دیں گے۔ لیکن ہمارے سیاست دانوں نے اس میں سچ یوں گھسیڑا ہے کہ سچ کو ختم کر دیا۔ ایک شخص نے غلام مصطفیٰ کھر کو اپنا خواب سناتے ہوئے کہا "آج خواب میں ایک محب وطن اور حق گو سیاست دان مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔" تو کھر نے پوچھا' "سچ!" "اچھا یہ بتاؤ میں نے کیا کیا باتیں کیں؟" سیاست دان حکومت میں آنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ محب وطن بھی بن سکتے ہیں۔ میرے کئی جاننے والے گھریلو ناچاقی سے تنگ آکر آخر سیاست میں آگئے۔ میں بھی سیاست میں آنا چاہتا ہوں لیکن سارا دن اتنا فارغ ہوتا ہوں کہ سیاست میں آنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ اس لئے انجمن والوں کو میرا مشورہ ہے کہ سیاست دانوں سے صرف الیکشن لڑیں ویسے نہ لڑیں کیونکہ فیلڈ مارشل لارڈ منٹگمری نے ساری زندگی جرمنوں اور سیاست دانوں سے لڑتے گزاری اور آخری عمر میں بتایا کہ جرمنوں سے لڑنا آسان تھا۔



گدھاگری

گداگری میں تو روس جس کی جمع کبھی رؤساء ہوتی تھی آج کل پہلے نمبر پر ہے مگر حیرانی یہ ہوئی کہ اب امریکہ بھی گدھاگری پر اتر آیا ہے۔ حال ہی میں ایک فرم نے اعلان کیا ہے کہ امریکہ کو گدھے برآمد کئے جائیں گے۔ امریکہ گدھوں کے معاملے میں ہمیشہ سے تیسری دنیا کے ممالک کا محتاج رہا ہے۔ اور یوں دوسرے ممالک کے گدھوں پر ہی گزارہ کرتا آیا ہے۔ بس فرق یہ ہے پہلے اسے دوسرے ممالک کی سیاست کے لئے گدھے چاہیئے ہوتے تھے اب اسے اپنے ملک کی سیاست کے لئے چاہئیں۔

امریکہ کی تین مشہور پارٹیاں ہیں' ری پبلکن پارٹی' ڈیموکریٹک پارٹی اور

کاک ٹیل پارٹی۔ پہلی دو کے انتخابی نشان بالترتیب گدھا اور ہاتھی ہیں۔ امریکہ بڑے ملک میں کس کی حکومت ہو گی اس کا فیصلہ ان دو جانوروں کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہمارے لئے یہ ایک سنہری موقع ہے' اس بہانے ہم اپنے سارے گدھے باہر بھیج سکتے ہیں۔ ویسے آج تک ہماری کسی فرم نے اتنی چیزیں برآمد نہ کی ہوں گی جتنی محکمہ پولیس نے کی ہیں۔ سو گدھے بھی انہیں سے برآمد کرانے چاہئیں اور غلام حیدر وائیں صاحب کی زیر نگرانی کام ہو تاکہ گدھے "میرٹ" پر باہر بھیجے جا سکیں۔

گدھے دو قسم کے ہوتے ہیں' دو ٹانگوں والے اور چار ٹانگوں والے اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سے گدھے برآمد کرنے ہیں۔ پھر بھی جہاں چار ٹانگوں والا ایک بھیجنا ہے' وہاں دو ٹانگوں والے دو بھیج کر گزارا ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک شخص نے کہا کہ میں چالیس سال کی عورت سے ہی شادی کروں گا۔ کچھ دنوں بعد ملا تو اس کے ساتھ بڑی کم عمر بیوی تھی۔ پوچھا تو کہنے لگا' "چالیس سال کی ایک نہ ملی تو میں نے بیس بیس سال کی دو کر لیں۔" گدھے اور انسان میں یہ فرق ہے کہ گدھا سگریٹ نہیں پیتا اور جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ایک بچے سے استانی نے پوچھا کہ گدھے اور ٹب میں کیا فرق ہے؟ تو اس نے کہا کہ گدھے میں نہایا نہیں جا سکتا۔ آج تک ہمارے ہاں گدھے سے کوئی خاص کام نہیں لیا گیا' صرف دوسروں کو گالی دینے کے کام ہی آتا ہے۔ شادی پر بھی ہم گھوڑوں پر بیٹھتے ہیں۔ گدھے پر اس لئے نہیں بیٹھتے کہ لڑکی والوں کو دولہا پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ ہمارے ایک مشہور صحافی احمد بشیر صاحب کے گھر میں تصویر ہے جس میں موصوف گدھے پر بیٹھے ہوئے ہیں' ان کی بچیاں ہر آنے والے کو بتاتی رہتی ہیں کہ انکل ان میں جو اوپر بیٹھے ہیں وہ ہمارے ابو ہیں۔

گدھوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیس سال بعد بھی بولیں پھر بھی ڈھینچوں ڈھینچوں ہی کریں گے اور یہ وہ دنیا کی ہر زبان میں کر سکتے ہیں۔ اس لئے امریکہ جا کر انہیں زبان کا مسئلہ بھی پیدا نہ ہو گا پھر گدھوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ بغیر پاسپورٹ کے امریکہ جا سکتے ہیں۔ جب سے یہ خبر آئی ہے کسی کو گدھا کہو تو وہ سمجھتا ہے امریکہ جانے کی دعا دے رہا ہے۔ یوں ہماری سیاست کی وجہ سے پہلے جو مقام "گھوڑوں" کو حاصل تھا اب گدھے بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔

امریکہ میں کوئی چیز اتنی مستقل نہیں جتنی تبدیلی۔ آپ تو وہاں صرف یہ پوچھیں کہ وقت کیا ہوا ہے؟ تو ڈیموکریٹ اور جواب دیں گے اور ری پبلیکن پارٹی کا بندہ مختلف جواب دے گا۔ ارکان اسمبلی سے پوچھیں تو ۴۳۵ سے زیادہ جواب ملیں

گے۔ کسی ماہر فن سے پوچھ لیا تو وہ ۵۰۰ صفحوں کی رپورٹ تیار کر دے گا' ڈاکٹر سے پوچھو گے تو نسخہ ہاتھ میں تھما دے گا اور اگر کسی وکیل سے پوچھ لیا تو سو ڈالر کا بل بھی پیش کر دے گا۔ شاید اس لئے سٹیونسن نے کہا تھا کہ اگر ری پبلیکن پارٹی والے ہمارے بارے میں جھوٹ بولنا بند کر دیں تو ہم بھی ان کے بارے میں سچ بولنا چھوڑ دیں گے۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ امریکیوں کو موٹی کتابیں' پتلی عورتیں اور غیر ملکی گدھے بہت پسند ہیں۔ یوں اگر ہمارے گدھے وہاں جیت گئے تو یہ ہر گدھے کی جیت ہو گی یوں بھائی چارہ بڑھے گا۔ پہلی بار سمجھ آئی کہ بھائی کے ساتھ "چارہ" کا لفظ کیوں لگایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ڈر ہے کہ اگر ہمارے گدھے ہار گئے تو انہوں نے دھاندلی کا شور مچا کر امریکہ سر پر اٹھا لینا ہے۔ اگر ان کے سر سے سینگ غائب نہ ہوتے تو سینگوں پر اٹھا لیتے اور اسی طرح سڑکوں پر نکل آتے۔ بہرحال ہمیں اس کار خر کو کار خیر سمجھ کر اس میں حصہ لینا چاہئے۔ یہاں کار خر سے مراد خر کی کار یعنی گدھا گاڑی نہیں ہے۔ کسی نے پوچھا کہ گدھا گاڑی اور عام گاڑی میں کیا فرق ہے؟ تو جواب ملا "گدھا گاڑی میں گدھا ہمیشہ گاڑی کے باہر ہوتا ہے۔" کہتے ہیں گدھا مکے سے بھی ہو آئے پھر بھی گدھا ہی رہتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک تو یہ گدھے واپس پاکستان آئیں گے ہی نہیں کیونکہ یہاں گدھوں کا نہیں گھوڑوں کا دور دورہ ہے اگر وہ واپس آ گئے تو پھر وہ یقیناً نرے گدھے ہی ہوں گے۔



طاف حسین کی شادی کی سازش

بیوی اور ڈاکٹر کی چپ اچھا شگون نہیں ہوتی مگر ان دونوں کی بات بھی ارنگ سے کم نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر دنیا کا واحد انسان ہے جسے تندرست آدمی اچھے نہیں لگتے، بیمار آدمی کو تو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ اس کی ذرا سی غلطی اپ پر "مٹی" ڈال سکتی ہے۔ نپولین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ قیامت کے دن دسروں کی زندگیوں کے بارے میں ہم جرنیلوں سے اتنی باز پرس نہ ہو گی جتنی اکٹروں سے۔ ایک مصور نے مزدور کی تصویر بنائی اور دو ڈاکٹر دوستوں کو دکھا کر ان ے رائے مانگی۔ تصویر کے "معائنے" کے بعد ان میں سے ایک کی رائے کے مطابق اس کا ایک پھیپھڑا کام نہیں کرتا جب کہ دوسرے نے کہا اسے "سن سٹروک" ہوا ہے

اور یہ دوا دیں' ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹروں کے مشورے اس لئے بھی قیمتی ہوتے ہیں کہ وہ مشورے قیمت کے بغیر نہیں دیتے۔ ویسے بھی اگر آپ کو ٹریفک کانسٹیبل کی بجائے ڈاکٹر کہے کہ گاڑی کی رفتار کم رکھیں تو یقین کرلیں آپ بوڑھے ہو رہے ہیں اور اگر گھر والوں کی بجائے ڈاکٹر آپ کو شادی کا مشورہ دے تو خدا کا شکر ادا کریں کہ ابھی آپ کسی "جوگے" ہیں۔

الطاف حسین ہمارے ان ایک دو لیڈروں میں سے ہیں جو بیوی سے نہیں ڈرتے۔ جس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ الطاف حسین بہت بہادر اور نڈر ہیں اور دوسری یہ کہ وہ ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔ شاید اس لئے چھ ڈاکٹروں کی ٹیم نے انہیں کہا ہے کہ آپ فوراً شادی کرلیں۔ یاد رہے کہ اس ٹیم میں کوئی لیڈی ڈاکٹر شامل نہیں تھی۔ الطاف حسین بچپن میں چاہتے تھے کہ وہ بڑے ہو کر ڈاکٹر بن کر مریضوں کی خدمت کریں یہ تو نہ ہو سکا' بہرحال انہوں نے مریض بن کر ڈاکٹروں کی بڑی خدمت کی۔ اتنا ہسپتال میں رہتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا ان کا گھر ہسپتال ہے یا ہسپتال ان کا گھر ہے۔ بہرحال وہ جہاں رہتے ہیں' وہیں گھر کر جاتے ہیں۔ ہمارے بھی ایک دوست ہسپتال میں ہی رہتے ہیں۔ کہتے ہیں "میں ہر ہسپتال میں داخل رہا۔" کسی نے پوچھا "کیا میٹرنٹی ہسپتال میں بھی رہے ہو؟" تو بولے "ہاں! وہاں بھی رہا ہوں۔ جب میں پیدا ہوا تو پورے چار دن تک میٹرنٹی ہسپتال میں داخل رہا۔" الطاف حسین کو ڈاکٹر اپنے ہی گھر کا فرد سمجھتے ہیں' شاید اس لئے انہوں نے ان کی شادی کرانا بھی اپنی ذمہ داری سمجھی۔ لیکن انہوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ الطاف حسین کام کرتے وقت آرام کا خیال نہیں رکھتے۔ بیوی ہو گی تو ان کو آرام کا موقع ملے گا۔ حالانکہ ہمارے ایک شادی شدہ جاننے والے جو خرابی صحت کی وجہ سے دفتر سے چھٹی پر تھے۔ انہیں ڈاکٹر نے کہا "آپ کو مکمل آرام چاہئے" تو انہوں نے اگلے دن ہی دفتر جانا شروع کر دیا۔

الطاف حسین کا دوسرا نام ایم کیو ایم ہے۔ انداز گفتگو ایسا کہ آپ کو اردو سمجھ نہ بھی آ رہی ہو بات پھر بھی سمجھ میں آ رہی ہو گی۔ مقرر ایسے کہ سننے والے اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ آپ سننے والوں کا ماس "سن" کئے بغیر ان کا آپریشن کر سکتے ہیں۔ ایسی ہی ہماری ایک گلوکارہ بتا رہی تھی کہ امریکہ کے ایک ہوائی سفر کے دوران لوگ میرا گانا سننے میں اس قدر محو تھے کہ طیارہ کریش ہو گیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ کراچی میں الطاف حسین کی اس قدر تصویریں لگی ہیں کہ پچھلے دنوں جاپانی صحافی کراچی آئے تو انہوں نے موصوف کی مختلف پوزوں میں تصویریں دیکھ دیکھ کر پتہ نہیں کیا سمجھ

کہ اپنے ملک کے فلمی رسالے کے لئے ان کا انٹرویو کرنے پہنچ گئے۔ الطاف حسین ڈرنے سے نہیں گھبراتے بچپن میں دوست انہیں خوش کرنے کے لئے لطیفہ نہ سناتے بلکہ یہ سناتے کہ فلاں جگہ لڑائی ہو رہی ہے۔ ان کے پاس ۵۰ سی سی تاریخی موٹر سائیکل تھی جو ففٹی موٹر یعنی سواریوں کی تعداد کے لحاظ سے موٹر اور ففٹی سائیکل یعنی چال اور چلن کے لحاظ سے سائیکل تھی۔ یہ موٹر سائیکل ایم کیو ایم کے بانیوں میں سے ایک ہے اس کے "شاک ابزاربر" بھی تین چار تھے۔ یعنی ایک چلانے والا اور باقی پیچھے بیٹھنے والے۔ وہ ان کی زبان اس قدر سمجھتی کہ بریکوں کی بجائے اسے زبان سے روکتے یعنی کوئی سامنے آتا تو پکارنے لگتے "رکنا! رکنا!" الطاف حسین کی مالی حالت ایسی رہی کہ مصیبت بھی مول نہ لے سکتے' وہ بھی ادھار لینا پڑتی۔ انہوں نے جیلوں میں مچھر اوڑھ کر راتیں اور زخم اوڑھ کر دن گزارے' تب کہیں جا کر بات یہاں تک پہنچی کہ وہ صبح بخیر کہہ دیں تو محکمہ موسمیات والے صبح بارش کی پیش گوئی بھی کر دیں تو کوئی نہیں مانے گا' بارش ہونے بھی لگے تو کوئی نہ مانے گا۔ ان کی کوششوں سے ایسے لوگ اسمبلی کے ممبر بن گئے جو اپنی کوششوں سے تو لائبریری کے ممبر نہیں بن سکتے تھے۔ اب تو الطاف حسین سڑک پر جس طرف چلنے لگیں سڑک اسی طرف چلنے لگتی ہے۔

وہ عمر ہے جس میں بندہ ستاروں پر کمند ڈالتا ہے' تو خود بخود فلمی ستاروں پر ڈل جاتی ہے۔ مگر الطاف حسین نے "چندا" تلاش کرنے کی عمر بھی "چندہ" اکٹھا کرتے گزاری۔ اب ڈاکٹروں نے انہیں جو شادی کی وارننگ دی ہے اس کا جواب وہ اپنی کتاب "سفر زندگی" میں یوں دیتے ہیں: "میں مستقل ایمرجنسی کی حالت میں رہتا ہوں۔ اگر میں شادی کر لوں تو اس سے تحریک کو نقصان پہنچے گا۔" سو ڈاکٹروں نے تحریک کو نقصان پہنچانے کی جو یہ سازش کی ہے لگتا ہے' اس میں انہیں کامیابی نہیں ہو گی۔



پاکستان بچہ پارٹی

صاحب! یہ تو طے شدہ بات ہے کہ پاکستان کی سب سے بڑی پارٹی آئی جے آئی یا پی پی پی نہیں بلکہ پاکستان بچہ پارٹی ہے ملک میں اگر ۴۸ فیصد مرد ہیں اور ۵۲ فیصد عورتیں تو ۱۵۲ فیصد بچے ہیں۔ جس گھر میں ایک عورت اور ایک مرد ہوتا ہے' وہاں پھر جو ہوتا ہے' وہ بچہ ہی ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے ایک اور ایک گیارہ ہو جاتے ہیں۔ یوں یہ پارٹی زنانہ مردانہ پارٹیوں سے بڑی ہے' جس کے حزب اقتدار میاں محمد اظہر ہیں۔

میاں محمد اظہر صاحب اور ہم میں یہ فرق ہے کہ ہمیں صرف اس وقت میاں کہا جاتا ہے' جب ہماری بیوی ہو جبکہ وہ شادی سے پہلے بھی میاں تھے۔ بچوں سے ان

کا لگاؤ کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ بچوں کے ساتھ اس قدر ادب سے پیش آتے ہیں
اب تو جس کے ساتھ ادب سے پیش آئیں وہ سمجھتا ہے کہ مجھے بچہ سمجھ رہے ہیں
جب سے گورنر بنے ہیں گورنر ہاؤس میں بچوں کی اس قدر آمد و رفت ہے بلکہ آمد ہی
آمد ہے، رفت کہاں ہے؟ لگتا ہے بندہ گورنر ہاؤس نہیں گورنس ہاؤس آیا ہے۔ ویسے
تو آپ ہر آدمی کو کھودیں تو اندر سے بچہ نکلتا ہے اور ہمیں ہمیشہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں
اس بچے کو کھو نہ دیں۔ جوزف ہیلر نے کہا تھا "میری خواہش ہے کہ میں بڑا ہو کر ایک
چھوٹا بچہ بنوں"

گورنر صاحب اتنے اچھے ہیں کہ میں نے خود ڈکشنری میں ان کی تعریف
پڑھی۔ شاید انہیں نہ پتہ ہو، لکھا ہے "وہ حاکم اور والی ہیں۔" والی تو شاید غلطی سے
لکھا گیا ہو کیونکہ ماشاء اللہ مرد ہیں سو اگر لکھنا بھی تھا تو "والا" لکھتے۔ بہرحال ڈکشنری
نے انہیں حاکم لکھا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہوں تو نئے
آنے والے کو پوچھنا پڑتا ہے کہ گورنر کون ہے؟ لوگوں کے مسائل سن کر ان کی یہ
حالت ہو جاتی ہے کہ جاتے ہوئے، سائل کو الٹی انہیں تسلی دینا پڑتی ہے کہ میاں
صاحب پریشان نہ ہوں، اللہ نے چاہا تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ان سے بہت پہلے
گورنر مخدوم سجاد حسین قریشی کے دور میں بیورو کریسی کی جگہ اللہ کریسی آ گئی۔ وہ
سائل کا استقبال بھی ہاتھ اٹھا کر کرتے جونہی وہ مدعا بیان کرنے لگتا، فرماتے "دعا
کریں۔" جنرل ٹکا خان جب تک ٹکا رہا، بیورو کریسی بور کریسی بن گئی کہ سائل انہیں
اپنا مسئلہ سمجھاتے سمجھاتے خود بھول جاتا کہ وہ سمجھانا کیا چاہ رہا ہے؟

میاں محمد اظہر صحافیوں کے سوالوں کا جواب یوں دیتے ہیں جیسے ملازمت کے
لئے انٹرویو دے رہے ہوں۔ ان کا درد دل اکثر دل کا درد لگنے لگتا ہے ملاوٹ کے اس
قدر خلاف کہ کسی کی ہاں میں ناں نہیں ملاتے ہمیشہ ہاں میں ہاں اور ناں میں ناں
ملاتے ہیں۔

گھر میں بات عینک کے نیچے سے دیکھتے ہوئے کرتے ہیں البتہ سنتے وقت عینک
کے اوپر سے دیکھتے ہیں، ہاں اگر دیکھنا ہو تو عینک اتار لیتے ہیں۔ شلوار قمیض پہنتے ہیں۔
میاں اظہر صاحب کو جس بات کا پتہ ہو وہ بھی بتائی جائے تو یوں سنتے ہیں جیسے پہلی بار سن
رہے ہیں۔ ہر کام پابندی سے کرنے کی عادت ہے جیسے ہمارے گھروں میں کتابیں پڑھنے
کی اس قدر پابندی ہوتی کہ اب تو یہ عادت بن گئی ہے کہ وہی کتاب پڑھتے ہیں جس پر
پابندی ہو۔ میاں محمد اظہر صاحب اپنی شناخت اپنے محلے کے حوالے سے کراتے ہیں۔

ے حفیظ جالندھری مرحوم کو انار کلی سے کپڑا خریدنا تھا، دکاندار بڑھ چڑھ کر دام بتا رہا
۔ ساتھ گئے ایک ادیب نے کہا "بھئی دام کم کرو، تمہیں پتہ نہیں یہ شاہنامہ اسلام
ے خالق ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں!" دکاندار نے کوئی توجہ نہ دی تو اس نے زور
ے کہا "بھئی! یہ حفیظ جالندھری ہیں۔" دکاندار نے خوش ہو کر کہا "اچھا! تو یہ بھی
لندھر کے ہیں۔"

میاں صاحب شیو کرتے ہوئے بیوی کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں جس کی اور
وئی وجہ سمجھ آئے نہ آئے، ان کے کلین شیو ہونے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اب تو
وئی بچہ کہہ دے کہ مجھے استانی سے ڈر لگتا ہے، ڈر رہتا ہے کلاس فیلوز ناراض نہ ہو
ئیں، گھر میں امی سے ڈر رہتا ہے تو بچے کا باپ ڈانٹ کر کہتا ہے۔ "زیادہ گورنر اظہر
بنے کی کوشش نہ کرو۔" میرے ایک دوست نے کہا کہ میاں صاحب کے بیانوں کی
تاب مرتب کر رہا ہوں۔ چند دن بعد ملا، پتہ چلا کہ اس نے ارادہ بدل دیا ہے۔ میں
نے وجہ پوچھی تو بولا، "آج کل بچوں کی کتابیں کون پڑھتا ہے۔" انہوں نے دل لگا کر
یاست نہیں کی کیونکہ اس حساب سے تو پہلے دل لگانا چاہئے تھا پھر سیاست کرنا چاہئے
ی اور یہ جب سیاست میں آئے تو شادی شدہ تھے۔ بہرحال یہ ہمارے وہ لیڈر ہیں
ن کے بارے میں کسی نے پوچھا:

"ان کا قد لمبا ہے یا چھوٹا؟"

"دونوں۔"

"کیا مطلب؟"

"لمبوں میں کھڑے ہوں تو چھوٹے اور چھوٹوں میں کھڑے ہوں تو لمبے۔"

"ان کا رنگ کالا ہے یا گورا؟"

"دونوں۔"

"کیا مطلب؟"

"کالوں میں ہوں تو گورے اور گوروں میں ہوں تو کالے۔"

"ان کی پارٹی آئی جے آئی ہے یا پی پی پی؟"

"دونوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بچے کسی پارٹی کے ممبر نہیں ہوتے، والدین کے ہوتے ہیں ویسے بھی آج
کل پاکستان بچہ پارٹی ہی تو کل کی پاکستان بچاؤ پارٹی ہے۔"



جو آنی جوانی جو آئی

اسلامی نظریاتی کونسل نے تجویز پیش کی ہے کہ صرف ۳۵ سال سے زیادہ عمر کی عورتوں کو ہی ملازمت کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس تجویز پر داد دینے کو دل چاہتا ہے کہ عورتوں کی ملازمت پر پابندی لگانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ آپ جس خاتون کو بھی کہیں گے کہ آپ کو اس لئے ملازمت دی جا رہی ہے کہ آپ ۳۵ سال سے بڑی ہیں تو وہ خود یہ نوکری لینے سے انکار کر دے گی۔ یوں نہ عورت پاکستان میں اتنی بڑی عمر کی ہو گی اور نہ کوئی ملازمت کرے گی۔ صدر ریگن سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ امریکہ میں کسی عورت کو صدر کیوں نہیں بنایا جاتا؟ تو صدر ریگن نے کہا "صرف یہ وجہ ہے کہ صدر بننے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ

عمر پینتیس سال سے زیادہ ہو اور کوئی عورت پینتیس سال سے زیادہ کا ہونا پسند نہیں کرتی۔" تو پاس کھڑی نینسی ریگن نے کہا "اگر مجھے کہا جائے کہ آپ کو امریکہ کی تاحیات صدر بنایا جاتا ہے تو میں ابھی پینتیس سال کی ہونے کے لئے تیار ہوں۔" لیکن ہمارے ہاں ایسی خواتین کہاں ہیں؟ پچھلے دنوں چائلڈ سٹار سے ہیروئن بننے والی اداکارہ نے ایک انٹرویو میں جو اپنی عمر بتائی' اس حساب سے اس نے اپنے پیدا ہونے سے تین سال قبل اپنی پہلی فلم میں کام کیا تھا۔ میں تو ایسے جڑواں بہن بھائیوں کو جانتا ہوں' بھائی کو پینتیس سال کا ہوئے پانچ سال ہو گئے مگر اس کی بہن کے ۳۵ سال کی ہونے کی اگلے پانچ سالوں میں بھی امید نہیں۔ جس سے آپ اندازہ لگا لیں عورتیں مردوں سے کتنا پیچھے ہیں حالانکہ بازاروں میں لگتا ہے کہ مرد ہی عورتوں کے پیچھے ہیں۔ اب تو مرد شاپنگ میں بھی عورتوں سے تیز ہو گئے ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک شخص اپنی تیزی کی وجہ سے شاپنگ کرتے پکڑا گیا۔ کیونکہ وہ اس قدر تیز تھا کہ سٹور کھلنے سے پہلے ہی شاپنگ کر رہا تھا۔ دور کیا جانا میرے ایک ڈاکٹر دوست نے ایک تریاق دریافت کر لیا ہے' جس کا زہر ابھی دریافت ہونا ہے۔ تاہم بولنے میں عورتوں کی تیزی برقرار ہے ان کی بولنے کی رفتار مردوں کی سننے کی رفتار سے ۷۵ فیصد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن انہیں چپ کرانا مردوں کی نسبت آسان ہے۔ آپ بہت سی خواتین کو بھی چپ کرانا چاہیں تو پوچھ لیں "آپ میں سب سے بڑی عمر کی کون ہے؟" بلکہ ایک ایسی خاتون نے اپنے باس سے شکایت کی کہ فلاں کولیگ مجھے بار بار جھوٹ بولنے پر اکساتا ہے مجھ سے پوچھتا ہے "آپ کی عمر کیا ہے؟"

عورتوں کو ہمیشہ عمر کی فکر رہتی ہے۔ سید ضمیر جعفری جب پچاس برس کے ہوئے تو ان سے ایک خاتون نے کہا "ہا ہائے میں مرجاں! آپ پچاس سال کے ہو گئے؟" تو جعفری صاحب نے کہا "محترمہ! وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی پچاس سال کا نہیں ہوں گا۔"

عورتوں کی آدھی عمر تو اپنی عمر کم کرنے میں گزر جاتی ہے۔ ایک ملازمت کے انٹرویو کے دوران انٹرویو لینے والے نے پوچھا' "محترمہ! آپ کی عمر؟" جواب ملا "۱۹ سال کچھ مہینے" پوچھا' "کتنے مہینے؟" جواب ملا۔ "چھیانوے مہینے!" ویسے آسکر وائلڈ نے عجیب بات کہی ہے۔ کہتے ہیں' "جو عورت اپنی صحیح عمر بتا دے اس پر اعتبار نہ کرو۔ کیونکہ جو اصلی عمر بتا سکتی ہے وہ سب کچھ بھی بتا سکتی ہے" عمر کے معاملے میں عورتیں اس قدر نازک مزاج ہوتی ہیں کہ امریکہ کی ریاست فلوریڈا کی عدالت میں

عورت نے صرف اس معمولی بات پر اپنے شوہر کے خلاف طلاق کا مقدمہ دائر کر دیا کہ اس کے شوہر نے کہا تھا: "آپ کی جرابیں بہت گھٹیا' پرانی اور سلوٹوں والی ہیں۔" حالانکہ اس وقت خاتون جرابیں پہنے ہوئے نہیں تھی۔ امریکہ کے ایک سینما میں ہیٹ پوش خواتین سے تماشائی اور انتظامیہ دونوں تنگ آ چکے تھے۔ آخر منیجر نے یہ نوٹس لگا دیا کہ انتظامیہ بوڑھی عورتوں کے آرام کا خیال رکھتے ہوئے انہیں مطلع کرنا چاہتی ہے کہ وہ بدستور ہیٹ پہنے رکھیں' ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اس کے بعد کوئی عورت ایسی نہ تھی جس نے ہیٹ نہ اتار دیا ہو۔ ہمارے ایک دوست ڈاکٹر کے پاس کمر درد سے ایک خاتون آئی۔ ڈاکٹر نے کہا "آپ چالیس سال کی تو نہیں لگتیں۔" اس کے خاوند نے کہا' "اب تو نہیں لگتیں' دس سال پہلے لگتی تھی۔" ڈاکٹر نے کہا' "محترمہ! یہ درد بڑی عمر کی وجہ سے ہوتا ہے' جوں جوں آپ بوڑھی ہوں گی' درد بڑھے گا۔" سو اس دن کے بعد خاتون کا وہ درد کم ہونے لگا۔

اپنی عمر کے بارے میں عورتوں کی یہی حد سے بڑھی احتیاط نے عورت کی عمر مرد کے لئے سب سے بڑا مسئلہ بنا رکھی ہے۔ اس کو جاننے کے لئے اس نے جتنی کوششیں کی ہیں' اتنی چاند پر پہنچنے کے لئے نہ کی ہوں گی۔ حالانکہ انسانی عمر کی صرف تین ہی صورتیں ہیں۔ جو آنی' جوانی اور جو آئی۔ کیونکہ مرد کی عمر وہ ہوتی ہے جو وہ محسوس کرتا ہے اور عورت کی وہ جو آپ محسوس کرتے ہیں۔



دولہا بازار

گھریلو سجاوٹ کی چیزوں میں سے وہ جو عورتوں کو سب سے زیادہ بھاتی ہے' دولہا کہلاتی ہے۔ پہلے تو صرف دولہا بے زار ہی ہوتا تھا اب تو دولہا بازار بھی ہونے لگے۔ انڈیا کے صوبہ بہار میں بہار کے جاتے ہی دولہے آنے لگتے ہیں اور جب جون میں جون بدلتی ہے تو دولہا بازار سج جاتا ہے۔ جس میں سرخ رنگ کی پگڑی اوڑھے دولے قطار اندر قطار بیٹھے ہوتے ہیں تاکہ خریداروں کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ اس بار یہاں ڈاکٹر اور انجینئر دولہوں کے ریٹ ۲ سے ۴ لاکھ فی دولہا رہے جبکہ گریجوایٹ دولہے ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ تک میں بکے۔ البتہ بے روزگار دولہوں کا مندہ رہا۔ پانچ پانچ ہزار میں بھی کسی نے نہ اٹھائے آپ سمجھتے ہوں گے دولہا بازار میں شوہر بکتے ہیں۔

جی نہیں! کسی شوہر کو بھلا کون خریدے گا؟ سب کنوارے کے دام لگاتے ہیں۔ یہاں دولہوں کی بڑی ورائٹی ہوتی ہے۔ ایک محترمہ دولہا خریدنے آئیں اور کہا "مجھے ایسا دولہا چاہیئے جو گانا بھی گا سکے، کبھی کبھی رقص بھی دکھائے، رومانی باتیں کرے، جب کہوں تب بولے، باہر جاؤں تو بچوں کا دل بہلائے، ممی آئیں تو انہیں بھی خوش رکھے۔" دکاندار نے یہ سن کر کہا "محترمہ! آپ اگلی دکان پر چلی جائیں، ٹی وی وہاں بکتے ہیں۔"

یہ دولہے وزن کے حساب سے نہیں بیچے جاتے ورنہ یہ ہوتا کہ کوئی ۸۰ کلو کا دولہا خریدنے آتا اور چالیس چالیس کلو کے دو خرید کر لوٹتا بلکہ یہ عدداً بیچے جاتے ہیں۔ عدداً سے یاد آیا ایک لاہوری تربوز بیچ رہا تھا۔ ایک شاعر نے اس سے پوچھا "عدداً بیچتے ہو یا وزناً۔" تو وہ بولا "نہیں حضور! تربوز بیچتا ہوں۔" یہ ممکن ہے کہ لوگ ادھار دولہے خریدنے آنے لگیں یا قسطوں پر لینا چاہیں۔

دولہا بازار میں سیاستدان دولہوں کی بھی بہت مانگ رہی جس کی وجہ ایک خاتون نے یہ بتائی کہ سیاستدان کی بیوہ کی ہمارے معاشرے میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ البتہ وکیل دولہوں کا مندہ رہا کہ خواتین کہتی ہیں پھر ان سے طلاق لینے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ ایک محترمہ کو ایمرجنسی دولہا چاہیئے تھا، سو اس نے پولیس والے کو پسند کر لیا اور کہا، "اس پتے پر پہنچو۔" وہ اس پتے پر جب پہنچا اور پوچھا، فلاں محترمہ سے ملنا ہے؟" گھر والوں نے کہا "وہ تو تین ماہ ہوئے یہاں سے چلی گئی ہے۔" تو وہ غصے سے بولا، "عجیب لوگ ہیں، پہلے ایمرجنسی کہہ کر بلاتے ہیں اور پھر مکان بدل لیتے ہیں۔"

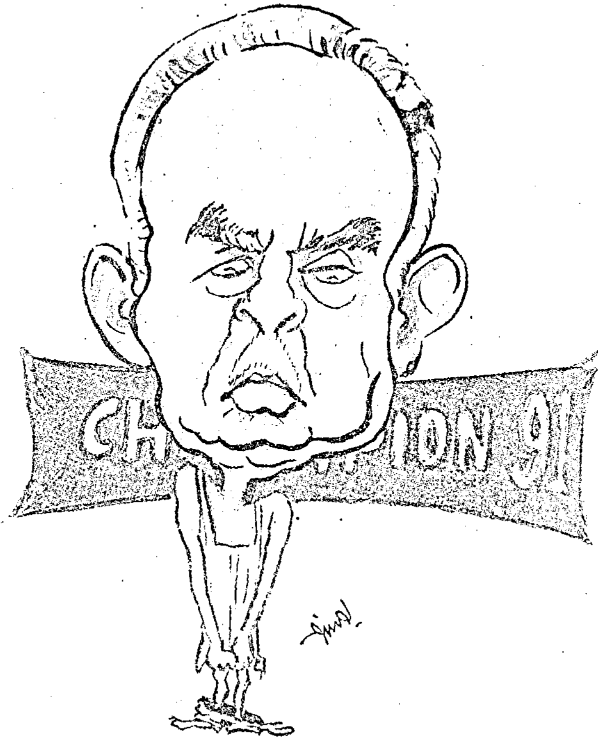
خود کلامی کرنے والے دولہے بھی ناپسندیدہ ٹھہرے حالانکہ ہر خاوند خود کلامی کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ سمجھتا ہے بیوی اس کی بات سن رہی ہے۔ یہاں اگر کوئی لڑکی کہے کہ مجھے دبلا پتلا اور غریب دولہا چاہیئے تو دکاندار کہے گا "آپ جس کو مرضی خرید لیں، شادی کے بعد خود ہی ایسا ہو جائے گا۔" ایک بار ایک محترمہ نے دکاندار سے کہا "آپ مجھے دانشور، امیر اور مجھ پر جان چھڑکنے والا دولہا دکھائیں" تو دکاندار نے کہا، "آپ تشریف رکھیں، میں ابھی تینوں دکھاتا ہوں۔"

عورت کی آدھی عمر اپنی پسند کو دولہا بنانے میں گزرتی ہے اور باقی آدھی اپنے دولہے کو پسند بنانے میں۔ اس بازار میں ایک مستقل آنے والی خاتون سے کسی نے پوچھا "آپ نے کبھی دولہا نہیں لیا، وجہ؟" تو اس نے کہا، "ایک آئیڈیل دولہے

ساری عمر خوشگوار تصورات میں گزاری جا سکتی ہے لیکن برے دولہے کی تلاش میں ایک بھی لمحہ گزارنا اذیت ناک ہوتا ہے۔" ونسٹن چرچل کو ایک تقریب میں ایک خاتون نے کہا "اگر آپ میرے دولہا ہوتے میں آپ کو زہر کھلا دیتی" تو ونسٹن چرچل نے کہا "اگر آپ میری دلہن ہوتیں تو میں خود ہی زہر کھا لیتا۔" ہمارے ہاں دلہنوں کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ ہرنی جیسی آنکھیں، چیتے سی کمر، مورنی کی چال، سیب جیسے گال اور سرو قد، گویا کوئی ایک بھی انسانوں والی خوبی ان میں نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے اب انڈیا میں دولہوں کے کوائف کے ساتھ وصائف بھی یوں درج ہوں: "سگھڑ، امور خانہ داری اور بردباری میں ماہر، نقل و حمل کے لئے مفید یہاں نقل اور حمل سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" ہو سکتا ہے ساتھ شادی کا تجربہ بھی درج ہو، تاکہ والدین اپنی بچی تجربہ کار ہاتھوں میں دیں۔ دلہنوں کی عمر کی طرح دولہوں کی عمر جاننا بھی آسان نہیں۔ کہتے ہیں ماہرین نے ایک کمپیوٹر ایجاد کیا جو ہر شخص کی عمر بتا دیتا۔ ایک عورت نے آ کر بٹن دبایا۔ آواز آئی، "کیا آپ عورت ہیں؟" عورت نے کہا، "ہاں۔" تو دوسری آواز آئی، "پھر آپ اکیس سال کی ہیں؟" یوں بھی اگر بیس سال کی عمر میں شادی ہو تو دو سال بعد اگر وہ دلہن ہے تو اٹھارہ سال کی ہو گی اور اگر دولہا ہے تو بتیس سال کا۔

خریدتے وقت ان دولہوں سے کوئی سوال جواب نہیں کیا جاتا کیونکہ خاوند نے کونسا اتنا بولنا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ایک اداکاری کے شوقین دوست کو ٹی وی پروڈیوسر نے کہا، "کل ٹی وی سٹیشن آ جانا، ایک خاوند کا رول ہے" تو اس نے کہا "سوری" میں سائلنٹ رول نہیں کروں گا۔"

اس سال دولہا بازار، میں بہت سے دولہے بکنے سے بچ رہے۔ ہو سکتا ہے ان پرانے دولہوں کا اسٹاک ختم کرنے کے لئے دولہا کلیرنس سیل بھی لگانا پڑے۔ جیسے ایک ڈاکٹر نے سیل لگائی کہ جو تین مریضوں کا اکٹھے آپریشن کرائیں گے، ان کے ایک بچے کا آپریشن مفت کیا جائے گا۔ ممکن ہے دولہا کلیرنس سیل میں یہ رعایت دی جائے کہ جو تین دولہے اکٹھے خریدے گا اسے ایک چھوٹا دولہا مفت ملے گا۔



FEATHER WEIGHT CHAMPION

ہم تو پہلوانوں کے شہر گوجرانوالہ میں رہتے ہوئے بھی Champion
Feather Weight نہ بن سکے۔ حالانکہ بچپن ہی سے ہمیں ممکن کو ناممکن بنانا آتا
تھا۔ جب پہلی بار سکول ٹیچر نے کہا کہ بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ناممکن کو ممکن بنا دیں
تو ہم نے فوراً سلیٹ پر لکھے ناممکن کا نامٹا کر اسے ممکن بنا دیا۔ لیکن باتصویر رسالے
"مسل ٹریننگ السٹریٹیڈ" نے اسرائیلی وزیراعظم اسحاق شمیر کو ۱۹۹۱ء کا مسٹر" ورلڈ"
قرار دے دیا ہے۔ ویسے اس سے اور کسی بات کا پتہ چلے نہ چلے' یہ پتہ چلتا ہے کہ
اسرائیلی ہر کام کتنے خفیہ طریقے سے کرتے ہیں کہ اسرائیلی وزیراعظم نے اپنے باڈی
مسلز بھی رکھے ہوئے تھے اور یہ بھی انہیں ہی پتہ تھا کہ وہ مسل ٹریننگ السٹریٹیڈ کی

طرف سے بہترین تن ساز اور ہیوی ویٹ چیمپئن کا انعام لینے جا رہے ہیں، دیکھنے والے سمجھ رہے تھے کہ ڈاکٹر سے دوائی لینے جا رہے ہیں۔

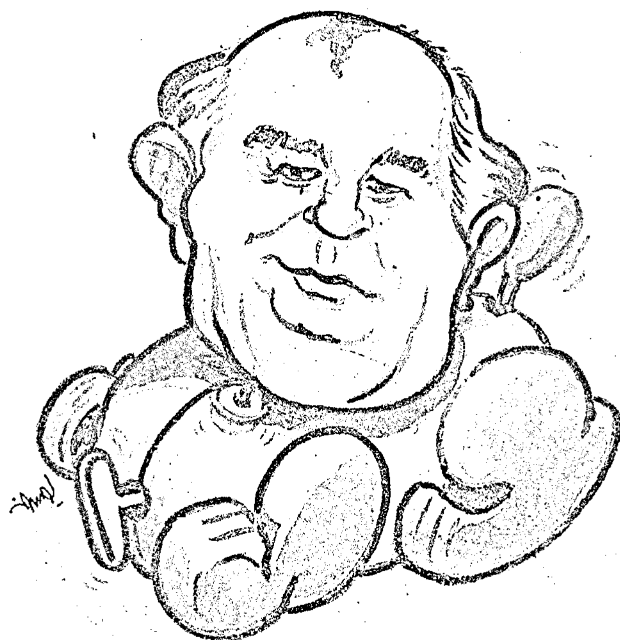
اسرائیلی وزیر اعظم کو جنہوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ انہیں کتنے غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔ کمزور نظر والے حضرات تو انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ عمرایسی کہ جس میں جسم کو تن نہیں کہہ سکتے کہ وہ تن ہی تو نہیں سکتا۔ قد ایسا کہ کھڑے ہوں تو ٹانگیں بمشکل زمین تک پہنچتی ہیں۔ چلتے ہوئے ذرا سی ہوا تیز چلے تو ان کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ جب عراق نے اسرائیل پر خلیجی جنگ میں میزائل پھینکے تو وہاں کے شہریوں نے عراق کے خلاف سینہ کوبی کی مگر یہ اس لئے نہ کر سکے کہ انہیں اپنا سینہ ڈھونڈنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ اتنے میں جنگ ہی بند ہو گئی۔ اتنے مختصر ہیں کہ آپ انہیں دیکھنا بھی شروع نہیں کرتے کہ وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ وزیر اعظم اسحاق شمیر شروع سے ایسے صحت مند تھے کہ ایک بیمہ کمپنی کا ایجنٹ ان سے ملنے آیا تو انہیں دیکھتے ہی اس کا رنگ پیلا پڑنے لگا۔

اسرائیلیوں کو خوبصورتی اس قدر پسند ہے کہ اس سے پہلے موشے دایان ان کے وزیر اعظم تھے جو اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ نظر تو وزیر اعظم شمیر کی بھی ایسی ہے کہ دونوں آنکھوں سے بھی ایک آنکھ جتنا دکھتا ہے۔ شکل و صورت ایسی کہ جو ان سے ایک بار مل لے وہ خود کو خوبصورت سمجھنے لگتا ہے۔ ایک بار فوٹو گرافروں سے بڑی بھدی اور بد وضع تصویر بن گئی تو وزیر اعظم نے ناراض ہو کر کہا "تم تصویر بناتے وقت ذرا اپنا ذہن بھی استعمال کر لیا کرو یہ تو ہو بہو مجھ سے ملتی ہے۔ لگتا ہے ان کی مندی صحت ہی ان کی صحت مندی قرار پائی۔ بہرحال اب رسالہ "مسل ٹریننگ السٹریٹیڈ" کو اس کڑیل جوان کا باتصویر فیچر چھاپنا ہے۔ ہو سکتا ہے رسالہ ذہنی آزمائش کا انعامی سلسلہ شروع کرنا چاہ رہا ہو۔ چونکہ یہ رسالہ تن سازی کا ہے، سو اس میں وزیر اعظم اسحاق شمیر کی تصویر ہو گی اور ساتھ لکھا ہو گا "مسل تلاش کرنے والے کو نقد انعام۔" یاد رہے کہ مسل کو اردو میں پٹھا کہتے ہیں اور پٹھے کون کون ہوتے ہیں، یہ تو الو کو بھی پتہ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں جوانی میں ایک بار اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق شمیر اپنی بیوی کے ساتھ سیر کو جا رہے تھے۔ تو پاس سے ایک بوڑھی عورت گزری اس نے پہلے اسحاق شمیر کو دیکھا پھر اس کی بیوی کو دیکھا اور بولی، "بیٹی تو نے اس حادثے کی رپورٹ تو درج کرا دی ہے ناں۔" وزیر اعظم ہر کام رازداری سے کرتے ہیں کہ کسی کو کانوں

کان خبر نہیں ہوتی۔ وہ تو وزن کرنے والی مشین پر کھڑے ہوں تو مشین کو خبر نہیں ہوتی۔ جب کہ ہمارا کوئی تن ساز پہلوان تن کر کھڑا ہو تو مشین سے آواز آتی ہے کہ ... لوگ ایک وقت میں مشین پر نہ چڑھیں۔ ہمارے ہاں پیٹ سے پتہ چلتا ہے کہ کتنا ... پہلوان ہے۔ ہمارے ایک جاننے والے پہلوان اتنے موٹے ہیں کہ فٹ بال نہیں ... کھیل سکتے۔ اگر وہ فٹ بال وہاں رکھیں جہاں سے ہٹ لگا سکیں تو فٹ بال نظر نہیں آتا، فٹ بال وہاں رکھیں جہاں سے نظر آتا ہے تو وہاں سے وہ ہٹ نہیں لگا سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا سے شاکی رہتے ہیں کہ اللہ نے صرف ایک منہ بنایا ہے ایک وقت کا کھانا کھانے میں دو وقت لگ جاتے ہیں۔ وہ تو نہانے کے لئے شاور کے نیچے کھڑے ہوں تو ان کے پاؤں کبھی نہیں بھیگتے البتہ وہ کم ہی نہاتے ہیں۔ کہتے ہیں، "پچھلی بار جب نہایا تھا تو میرا وزن ۲۵۰ پونڈ سے ۲۳۵ پونڈ رہ گیا تھا۔" بندہ دھوپ میں ان کے سائے میں سو سکتا ہے۔ جبکہ تازہ ترین وزیر اعظم اسحاق شمیر تو ایسے ہیں کہ ان جیسے دو ملیں تو کہیں جا کے ایک سایہ بنتا ہے۔ وہ جب کہیں کہ ورزش کر رہا ہوں تو مطلب ہو گا کوئی وزنی چیز پلیٹ سے اٹھا کر پیٹ میں رکھ رہے ہیں۔ ڈنر میں انہیں دو چیزیں پسند نہیں ایک بریک فاسٹ دوسرا لنچ۔ تحفے میں انہیں گولیاں ہی ملتی ہیں، فلسطینیوں سے بندوق کی اور اسرائیلیوں سے وٹامن کی۔

رسالے کے اڈیٹر ڈان لوری نے کہا ہے۔ "انہیں یہ انعام خلیجی جنگ میں نہ کودنے پر دیا گیا ہے۔" حالانکہ وہ چاہتے تو یہ انعام انہیں بستر سے نہ کودنے پر بھی دے دیتے۔ ہم پھر بھی اسے "قابل اعتراض" قرار نہ دیتے۔ کسی تن ساز نے اپنے ٹریننگ انسٹرکٹر سے پوچھا "مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ میں کبھی کوئی مقابلہ نہ ہاروں۔" تو انسٹرکٹر نے کہا، "اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم کسی مقابلے میں حصہ نہ لینا۔" سو اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق شمیر وہ تن ساز ہیں جو آج تک تن سازی کے کسی مقابلے میں نہیں ہارے۔ یوں انہیں ۱۹۹۱ء کا مرد سال قرار دیا گیا ہے۔ چلو اس بہانے انہیں ایک سال کے لئے تو مرد قرار دیا گیا۔



گربہ چوف غورباچوف غرباء چوف

مرد میری مخالفت کریں تو عورتیں طرف داری کرتی ہیں او مرد اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ عورتیں طرف داری کرتی ہیں۔ یہی کچھ بچارے گورباچوف کے ساتھ ہو رہا ہے۔ چند سالوں میں وہ عورتوں میں اس قدر مقبول ہوئے کہ جاپانی بیویوں نے اپنے گھروں میں گورباچوف کی شکل کے کھلونے سجانے شروع کر دیئے۔ جس کی وجہ وہاں کے دانشور یہ بتاتے ہیں کہ جاپان میں ملازم پیشہ شوہر دفاتر میں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آتے ہیں لیکن جب وہ گھر آتے ہیں تو معاملہ الٹ ہوتا ہے۔ تھکے اور چڑچڑے ہوتے ہیں۔ لیٹ آتے ہی لیٹ جاتے ہیں جاپانی بیویاں انہیں گورباچوف سے تشبیہ دیتی ہیں اور ان کو "گوربی نشیبو" کہتی ہیں۔ یعنی

ایسا شخص جو باہر تو مقبول ہو لیکن گھر میں مقبول نہ ہو۔ یہ توجیح ان دانشوروں کی ہے جن کے اپنے گھروں میں گورباچوف کے کھلونے موجود ہیں۔

گوربی کی زندگی کے چار ادوار ہیں گربہ چوف‘ غورباچوف‘ غرباء چوف اور آخری گورباچوف کیونکہ یہ گور سے شروع ہوتا ہے۔ بچپن میں اس کی والدہ کہتی: ”میرا بیٹا بڑا ہو کر قوم کا معمار بنے گا۔“ مگر اسے عمارتیں بنانے میں دلچسپی نہ تھی۔ سو معمار کی بجائے سیاستدان بن گیا۔ اس کے دور جوانی میں صرف دو جگہیں ایسی تھیں جہاں کوئی بے روزگار نہ ملتا‘ ایک روس اور دوسرا جیلیں۔ بے روزگار نہ ملنے کی وجہ بھی دونوں جگہ ایک ہی تھی۔ ان دنوں ایک روسی شام کو واپس آیا تو اس نے آکر ٹی وی آن کیا‘ تو پہلے چینل پر بریژنیف تقریر کر رہا تھا۔ وہ لگاتار چینل بدلتا رہا مگر ہر چینل پر ایک ہی تصویر تھی‘ ایک ہی بات تھی۔ اس روسی نے تنگ آکر آخری چینل لگایا تو واقع تبدیلی دیکھنے کو ملی۔ کے جی بی کا چیف ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا کہ آئندہ چینل تبدیل کرنے کی کوشش کی تو پھر اپنے گھر میں نظر نہ آؤ گے۔ اگرچہ آج بھی روسی‘ لڑکی کا ہاتھ پکڑنے میں اتنی دیر لگا دیتے ہیں‘ جتنی دیر میں امریکی طلاق دے دیتے ہیں۔ ان دنوں تو لوگ اظہار محبت اس سے بھی کم کرتے۔ ایک روسی نے اپنی محبوبہ کو لکھا‘ ”میں تمہیں کھل کر نہیں لکھ سکتا‘ تمہیں پتہ ہے کہ خط سنسر ہوتے ہیں۔“ تو اسے وہ خط اگلے ہی دن اس نوٹ کے ساتھ ملا کہ آپ بے شک کھل کر لکھیں کوئی خط سنسر نہیں ہوتا۔ ان دنوں ایک امریکی نے کہا ”ہمیں روسیوں سے زیادہ آزادی حاصل ہے‘ میں تو وائٹ ہاؤس میں جا کر ریگن کے سامنے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ریگن سے اختلاف ہے۔“ تو ایک روسی نے کہا‘ ”یہ کونسی مشکل بات ہے میں بھی کریملین جا کر یہی بات بریژنیف کے سامنے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ریگن سے اختلاف ہے۔“

گوربی روس کا پہلا امریکی صدر رہا۔ جو صرف سننا جانتے تھے اس نے انہیں بولنا سکھایا تو انہوں نے سننے سے انکار کر دیا۔ اس کی اصلاحات اس کے لئے اسلحہ جات بنتی گئیں۔ وہ دن بھی آیا جب کھانا لینے کے لئے لگی قطار کے سرے پر کھڑے نوجوان کو اپنی باری آنے کی امید نہ رہی تو اس نے غصے میں بڑھک لگائی کہ میں گوربی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور یہ کہہ کر وہ صدارتی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو ساتھیوں نے طنزاً پوچھا: ”قتل کر آئے۔“ کہا: ”نہیں وہاں بھی اس کام کے لئے اتنی لمبی لائن لگی ہوئی ہے‘ وہاں بھی میری باری آنے کی کوئی امید نہیں۔“

پچھلے چند ہفتوں سے گورباچوف اس قدر ”ان“ جا رہے ہیں کہ دنیا کے

بڑے ممالک کے ساتھ ساتھ روس میں بھی ان کے کھلونے نظر آنے لگے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے تو اسے بھی کھلونا سمجھ کر گھر میں سجانا چاہا۔ اس کے قریبی ساتھیوں کی اس کے خلاف بغاوت کی وجہ بھی گوربی کی یہی مقبولیت بنی حالانکہ یہ بغاوت تو رئیسہ گورباچوف کو کرنا چاہئے تھی۔ اس نے شاید اس لئے نہ کی کہ گوربی انہی عورتوں میں مقبول ہوئے ہیں جو پہلے ہی شادی شدہ ہیں۔ پھر بھی جسے ساری دنیا مقبول کہتی ہے‘ اس کی بیوی اسے صرف اسی صورت میں مقبول کہے گی اگر اس کا نام ”مقبول“ ہو۔

گوربی کی بیوی رئیسہ نام ہی سے کسی رئیس کی مونث لگتی ہے۔ وہ ہر سوال کا جواب سوال سے دیتی ہے۔ جھوٹ نہیں بولتی‘ اس سے عمر پوچھو تو خاموش ہو جاتی ہے۔ خوبصورت ہے اور اسے اپنے خوبصورت ہونے پر یقین اس لئے ہے کہ ”کے جی بی“ کی خبر کبھی غلط نہیں ہوتی۔ ناکام انقلاب کے بعد گوربی کے اعضائے رئیسہ اور رئیسہ کے اعضا مضمحل ہو گئے ہیں۔ رئیسہ کو ایک بار کسی عورت نے روک کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا ”آپ کی شکل ہو بہو گوربی کی بیوی سے ملتی ہے“ تو اس نے کہا: ”ہاں واقعی کبھی کبھی تو گوربی کو بھی مجھ پر اپنی بیوی کا گمان ہوتا ہے۔“ شاید اسی لئے آج کل رئیسہ بھی اپنے خاوند کو ”گوربی شیو“ کہنے لگی ہے۔



سگریٹ Noشی

صاحب! میں تو اخبار اس لئے پڑھتا تھا کہ دنیا کے بارے میں میری معلومات اپ ٹوڈیٹ رہیں۔ آج کا اخبار پڑھ کر پتہ چلا کہ میری تو اپنے بارے میں معلومات اپ ٹوڈیٹ نہیں ہیں۔ یہاں ڈیٹ سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ امریکی ڈاکٹروں نے تحقیق کے بعد بتایا ہے کہ میں نو روزانہ کئی سگریٹ پھونک جاتا ہوں۔ یہی نہیں انہوں نے تو ہماری خواتین کو بھی نہیں بخشا۔ ان کے حساب سے ہماری بیشتر خواتین سگریٹ نوش ہیں۔ ہوا یوں کہ امریکی ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے ایک خاتون کے معائنے کے بعد کہا کہ اسے سگریٹ نوشی کی وجہ سے پھیپھڑوں کا کینسر ہو گیا ہے۔ مگر اس خاتون نے بتایا کہ میں نے تو کبھی سگریٹ نہیں پی۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ خاتون ٹھیک

کہہ رہی تھی۔ مگر غلط ڈاکٹروں نے بھی نہیں کہا تھا کیوں کہ اس عورت کا خاوند سگریٹ پیتا تھا اور جب کوئی آپ کے سامنے سگریٹ کی ایک ڈبی پیتا ہے تو دراصل اس میں سے دو سگریٹ آپ بھی بذریعہ سانس پی جاتے ہیں۔ یوں ہماری ہر وہ عورت جس کا خاوند' بھائی یا باپ سگریٹ پیتا ہے' وہ سگریٹ نوش ہے۔ ایک ایسی ہی محترمہ نے خاوند کو کہا' سگریٹ پینا چھوڑ دو یا مجھے۔" خاوند سوچ میں پڑ گیا تو بیوی نے پوچھا "اب سوچنے کیا لگے ہو؟" تو خاوند بولا' "سوچ رہا ہوں اب کھانا کون پکایا کرے گا؟"

میں نے سگریٹ کے بارے میں ایک کالم لکھا تھا ایک خط آیا کہ آپ کا کالم پڑھ کر ہمیں سگریٹ No شی اتنی بری لگی کہ ہم نے توبہ کرلی کہ آئندہ کبھی آپ کے کالم نہیں پڑھیں گے۔ ظاہر ہے بندہ وہی کام کر سکتا ہے جو اس کے لئے آسان ہو۔ جیسے مارک ٹوئن نے کہا تھا کہ میرے لئے سگریٹ پینا نہ پینے کی نسبت آسان ہے کیونکہ سگریٹ سے جان چھڑانا جان جوکھوں کا کام ہے۔ کہتا ہے "مجھے تو ایک بار پرانی چھتری سے جان چھڑانا تھا' کوڑے کے ڈرم میں پھینکی تو صفائی کرنے والا پہچان کر واپس کر گیا۔ سڑک پر پھینکی تو محلے دار پہچان کر دے گئے' کئی طریقے آزمائے آخر کار ایک دوست کو ادھار دے دی۔ اس کے بعد میں نے اس چھتری کی شکل نہیں دیکھی۔"

ویسے ٹی وی پر سگریٹ کے اشتہار دیکھ کر لگتا ہے کہ ہم سگریٹ پئے بغیر زندہ کیسے ہیں؟ ایک اشتہار میں ایک شخص مخصوص برانڈ کا سگریٹ پی کر شکار کو نکلتا اور شیر کو مار کر لوٹتا۔ ففٹی ففٹی پروگرام میں اس کی پیروڈی کی گئی کہ ایک دن وہ اسی طرح سگریٹ پی کر شیر کے شکار کو نکلتا ہے مگر واپس آتا ہے تو زخمی اور بدحال ہوتا ہے۔ ایک شخص پوچھتا ہے "آج تم شیر کو نہیں مار سکے کیا وجہ ہوئی؟" تو وہ کہتا ہے' "آج شیر نے بھی اسی برانڈ کا سگریٹ پی رکھا تھا۔" ویسے سگریٹ پینا کوئی کام نہیں ہے کیونکہ یہ کام ہوتا تو بڑے بڑے افسروں اور سربراہوں نے سگریٹ پینے کے لئے الگ ملازم رکھے ہوتے۔

حال ہی میں بین الاقوامی مشاورتی فرم پیٹ ماورک نے روس جانے والوں کے لئے جو ہدایات نامہ مرتب کیا ہے' اس میں کہا گیا ہے کہ روس میں دعوت کے دوران ریستوران میں گول میز منتخب کریں کیونکہ روسیوں کے ہاں کونے بدقسمتی کی علامت ہوتے ہیں اور آخر میں بہترین سروس پر بیرے کو ٹپ میں سگریٹ دیں۔ اگرچہ

ایسی ٹپ تو اس بیرے کو دینی چاہئے جو اچھی سروس نہ کرے۔ لیکن ایلین بینٹ نے کہہ رکھا ہے کہ روس میں رہنے کا صرف ایک ہی فائدہ ہے کہ یہ ان جگہوں میں سے ایک ہے۔ جہاں سگریٹ کینسر نہیں کرتا کیونکہ کے جی بی کا حکم نہیں۔ اس وقت تک روس میں کے جی بی کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لحاظ سے تو کے جی بی پر پابندی کے بعد روس میں کینسر کا خطرہ بڑھ گیا ہوگا' مگر پریشانی کی کوئی بات نہیں کیونکہ کہتے ہیں: "Cancer Cures Smoking"

سگریٹ کے شروع میں سگ آتا ہے سو اسے کسی ریٹ پر بھی منہ نہیں لگانا چاہئے۔ سگریٹ پینے والوں سے پوچھا جائے کہ میں صحت مند ہوں' یہ کون سا فعل ہے؟ حال' ماضی یا مستقبل؟ تو جواب ہوگا فعل ماضی۔ مشہور اداکار گریگری پیکر اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میرے ڈاکٹر نے مجھے نصیحت کی کہ آپ کی صحت کے لئے یہی بہتر ہے کہ فوراً سگریٹ نوشی چھوڑ دیں۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں آج سے سگریٹ نوشی ترک کر رہا ہوں تو وہ بولا' "چونکہ اب تم سگریٹ نوشی چھوڑ ہی رہے ہو تو یہ سونے کا لائٹر مجھے گفٹ کر دو۔"

کہتے ہیں پہلے آدمی سگریٹ کو پیتا ہے پھر سگریٹ سگریٹ کو پیتا ہے اور آخر میں سگریٹ آدمی کو پیتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ اتنے لوگ سگریٹ سے نہیں مرتے جتنے سگریٹ پر مرتے ہیں۔ انگریزی میں اسے سموکنگ کہتے ہیں لوگوں کو شاید سموکنگ پسند ہی اس لئے ہے کہ اس میں کنگ آتا ہے لیکن اس دور میں کنگ کہیں کے نہیں رہے۔ سو لگتا ہے عنقریب دھواں دینے والی گاڑیوں کی طرح دھواں دینے والے افراد کا بھی چوراہوں میں چالان ہوا کرے گا۔

اس تازہ تحقیق سے پہلے ہم سگریٹ پینے کے لئے دوسروں کے محتاج ہوتے تھے اب سگریٹ پینا ترک کرنے کے لئے بھی دوسروں کے محتاج ہو گئے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے کہا "میرے بچے کو اخبار منہ میں ڈالنے کی بڑی بری عادت تھی مگر اب نہیں رہی۔" پوچھا' "تم نے یہ عادت کیسے چھڑوائی؟" بولا "میں نے اخبار لینا بند کر دیا۔" سو سگریٹ پینے کی عادت بھی ایسے ہی چھڑوائی جا سکتی ہے۔ لیکن لوگ سگریٹ نوشی کو عادت ہی نہیں مانتے۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے "سگریٹ پینے سے عادت نہیں پڑتی کیونکہ میں گزشتہ بیس سالوں سے سگریٹ پی رہا ہوں مجھے تو عادت نہیں

پڑی۔" میں نے کہا" پھر تم سگریٹ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" بولے "سبھی کہتے ہیں سگریٹ نہ پینا سود مند ہے اور میں سود کے بہت خلاف ہوں۔" لیکن آج صبح اس نے حیران کر دیا۔

"میں نے آوارہ پھرنا چھوڑ دیا۔"

"کیا؟"

"ہاں اور میں نے جوا کھیلنا بھی بند کر دیا"

"واقعی"

"ہاں اور میں نے سگریٹ نوشی بھی ترک کر دی۔"

"ویری گڈ تم نے سب بری عادتیں چھوڑ دیں۔"

"بس ایک ابھی تک نہیں چھوڑ سکا۔"

"کونسی؟"

"جھوٹ بولنا۔"



لڑکپن اور بڑھاپا

سائنس کے کیا کہنے اس نے ہر چیز کی پیداوار میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا تازہ ترین اعلان یہ ہے کہ ۲۰۲۵ء تک بوڑھوں کی پیداوار ۳۸۰ ملین سے بڑھ کر ۶۱۰ ملین ہو جائے گی۔ یہ اصول فطرت ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ ہو گی اس کی قیمت اتنی ہی کم ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں میرے استاد خواجہ مظہر منیر نے ایک دن مجھ سمیت پانچ لڑکوں کو کلاس میں کھڑا کیا اور کہا "ان چاروں کا دماغ ایک ایک لاکھ کا ملی گرام ہے مگر تمہارا دماغ دس لاکھ کا ملی گرام ہے۔" میں بہت خوش ہوا تو انہوں نے کہا "جو چیز جتنی کم ہوتی ہے اتنی ہی قیمتی ہوتی ہے۔" سو مجھے لگتا بڑھاپے کی اس قدر بہتات دراصل بوڑھوں کی مارکیٹ ڈاؤن کرنے کے لئے کی جا

رہی ہے۔ ظاہر ہے جب سب ہی بوڑھے ہوں گے تو ان کو بوڑھا سمجھ کر ان کی عزت کون کرے گا؟

بوڑھوں کو ہمارے ہاں وہی مقام حاصل ہے جس مقام پر وہ سارا دن بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم بوڑھوں کے خلاف نہیں کیونکہ ہمیں بھی ایک دن بوڑھا ہونا ہے۔ مگر بوڑھے ہمارے خلاف ہیں کیونکہ انہیں کون سا جوان ہونا ہے۔ ہمارے ہاں بوڑھے، بچوں کو ڈرانے اور نصیحت کرنے کے کام آتے ہیں۔ ایک بوڑھے نے نصیحت کی کہ بیٹا اپنی گاڑی کی رفتار اتنی ہی رکھنا جتنی میری دعاؤں کی رفتار ہے اور میری دعاؤں کی رفتار چالیس میل فی گھنٹہ ہے۔ ویسے وہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بول سکتے ہیں۔

وہ یہ سوچ کر پریشان ہوتے ہیں کہ نئی نسل بڑی ہو کر کیا کرے گی؟ حالانکہ وہ بھی بڑی ہو کر نئی نسل کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوا کرے گی۔ تازہ ترین سروے رپورٹ کے مطابق ۲۵ فیصد لوگ سمجھتے ہیں بوڑھے فارغ رہتے ہیں حالانکہ ۳ فیصد بوڑھے بھی اس سے متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ جو کام آپ پانچ منٹ میں کر کے گھنٹوں فارغ بیٹھے رہتے ہیں، وہ اس میں گھنٹوں مصروف رہتے ہیں اور پانچ منٹ بھی فارغ نہیں بیٹھتے۔ ایچ جے ویلز قریب المرگ تھا، اس کے رشتہ دار دوست چاہتے تھے کہ اس عظیم رائٹر کے منہ سے کچھ آخری کلمات نکلیں۔ جب انہوں نے اس لئے اسے بار بار تنگ کیا تو ایچ جے ویلز نے کہا ”آپ دیکھ نہیں رہے، میں مرنے میں بہت مصروف ہوں۔“ بڑھاپے میں اگر کوئی مسئلہ ہے تو وہ بڑھاپے کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ بہرحال تین بوڑھی عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک نے کہا ”بڑھاپے کی وجہ سے مجھے یہ مسئلہ ہے کہ جب میں سیڑھیوں کے درمیان پہنچتی ہوں تو بھول جاتی ہوں کہ اوپر چڑھ رہی تھی یا نیچے اتر رہی تھی۔“ دوسری نے کہا ”میں جب ریفریجریٹر کے سامنے ہوتی ہوں تو مجھے یاد نہیں رہتا کہ اندر سے کچھ نکالنا ہے یا ریفریجریٹر میں کچھ رکھنا ہے۔“ تیسری سے پوچھا، ”تمہیں بھولنے سے کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا؟“ تو اس نے کہا ”آتا کیوں نہیں، مگر مجھے بھول جاتا ہے کہ کون سا مسئلہ درپیش ہے۔“ ویسے اصلی بوڑھے تو وہ ہوتے ہیں جنہیں ہر سال بعد یہ بھول جائے کہ وہ بوڑھے ہو رہے ہیں یا جوان، حالانکہ بڑھاپا تو بڑھا ہوا پا ہے۔ جو پھسلتا ہی جاتا ہے ویسے آپ ہر بوڑھے کو جھاڑیں تو اندر سے ایک جوان نکلے گا۔

بڑھاپے میں اس دگنے اضافے سے اگر کوئی خوش ہے تو وہ یقیناً حکیم ہو گا۔

کیونکہ ہمارے ہاں بندہ جوں جوں پچاس ساٹھ سال کے قریب ہوتا ہے دراصل وہ حکیم کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ آپ ”ڈیلی وال نیوز“ پڑھیں ہر دیوار پڑھ کر یہی لگتا ہے کہ پاکستان میں ایک ہی کام ہو رہا ہے۔ چوبیس گھنٹے فی بوڑھا کے حساب سے انہیں جوان کیا جا رہا ہے۔ بہرحال بوڑھوں کی تعداد میں اضافے کی وجہ دنیا میں برتھ کنٹرول مہم ہے۔ اگرچہ برتھ کنٹرول سلوگن ہی غلط ہے، کنٹرول تو برتھ سے بہت پہلے ہونا چاہئے۔ تاہم اس مہم سے بچوں کی تعداد کم کی جا رہی ہے۔ جو دراصل اکیسویں صدی کے نوجوانوں کی تعداد میں کمی ہے۔ سائنس نے پہلے تو لڑکپن بلکہ لڑکپن کو اتنا کم کر دیا کہ لڑکے پندرہ سال کی عمر میں پچیس سال کے ہونے لگے اور لڑکیاں تیرہ سال کی عمر میں بیس سال کی لگنے لگیں۔ یہ الگ بات ہے وہ ذاتی کوششوں سے تیرہ سال تک بیس سال کی لگتی رہتی ہیں لیکن آج سائنس نے خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر لڑکپن بندی شروع کر دی ہے۔

جنت میں یہ خوبی ہے کہ وہاں کوئی بوڑھا نہ ہو گا سو جوں جوں دنیا میں بوڑھے بڑھیں گے اس کے جنت بننے کے امکانات کم ہوتے جائیں گے۔ کہتے ہیں وہ زمانہ جس میں نوجوان اپنے بوڑھوں کو دفنائیں زمانہ امن ہوتا ہے۔ پتہ نہیں مفکر نے اس کو امن کا زمانہ کیوں کہا ہم تو بوڑھوں کو نقص امن کا باعث نہیں سمجھتے۔ اسی لئے میں گھبرا رہا ہوں کہیں سائنس دانوں نے اندر کھاتے ۲۰۲۵ء میں کسی جنگ کی پیش گوئی تو نہیں کی۔ ویسے اس وقت امن نہ ہونے کی ایک وجہ تو سمجھ آتی ہے وہ یہ کہ اس وقت ہم بھی بوڑھے ہوں گے۔



نور جہاں بمقابلہ نار جہاں

میں بہت کم متاثر ہوتا ہوں' ہاں! کبھی کبھی فلو ضرور متاثر کرتا ہے۔ لیکن پچھلے کئی دنوں سے میں نیف ڈیک کے ایم ڈی ایاز راشدی صاحب سے بہت متاثر ہوں۔ موصوف نے وہ کام کیا ہے جو بڑے کام کے آدمی ہی کرتے ہیں۔ کچھ عرصے سے فلم انڈسٹری کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ملکہ ترنم نور جہاں اور بانکی نار ریما بلکہ نار جہاں میں سے بہتر کون ہے؟ اگرچہ یہ تو کوئی بے وقوف بھی بتا سکتا ہے کہ ۱۷ سال کی اور ۵۷ سال کی لڑکی میں سے بہتر کون ہوتی ہے؟ لیکن یہ فیصلہ کرنے کا اعزاز ایاز راشدی صاحب کو ملا۔ ہو سکتا ہے انہیں اس بات کا بہت پہلے پتہ چل گیا ہو اور وہ انتظار کر رہے ہوں کہ کب ریما ماسکو سے واپس آئے اور وہ یہ انکشاف کریں۔ ریما جس نے

ابھی اتنا دنیا کو نہیں دیکھا جتنا دنیا نے اسے دیکھا ہے' وہ اس اعزاز پر خوش لگتی ہے۔ حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایاز راشدی صاحب روس کے ناکام انقلاب کے بعد گوربا چوف کی واپسی کا سہرا بھی ریما کے سرباندھ دیتے۔ کیونکہ خود تو موصوف کی وہ عمر نہیں رہی کہ اپنے سر پر پھر کوئی سہرا باندھ سکیں۔

ریما کا فلمی کیریئر "بلندی" سے بنا۔ اس سے پہلے اس کے پاس صرف "کیریئر" ہی تھا۔ جہاں تک فلم "بلندی" کا تعلق ہے' اس پر یہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ ہدایت کار محمد جاوید فاضل صاحب' فاضل فلم بینوں کو اپنے ساتھ بلندی پر لے جاتے ہیں اور وہاں سے دھکا دے دیتے ہیں۔ یہاں فلم بین سے مراد وہ نہیں جو صرف بین فلم ہی دیکھتے ہیں۔ بہرحال "بلندی" کے باعث ریما اتنی قیمتی ہو گئی ہے کہ اب تو وہ کار میں جا رہی ہو تو حفاظت کے لئے ساتھ اتنے گن مین ہوتے ہیں کہ لگتا ہے بینک کی کار کیش لے کر جا رہی ہے۔ وہ دور سے کالج کی لڑکی لگتی ہے البتہ پاس سے پورا کالج لگتی ہے۔ چودہ سال کی عمر میں ہی آواز اس قدر بدل گئی تھی کہ پتہ نہ چلتا' ہاں کہہ رہی ہے یا ناں۔ اس کی والدہ سے پوچھنا پڑتا۔ اب بھی ماسکو کو ماس کو اور جمعرات کو جمعہ رات کہتی ہے۔ شاید اسی لئے جمعرات کی شوٹنگ نہیں کرتی کہ یہ واحد دن ہے جس میں رات آتی ہے۔ سڑک پر چل رہی ہو تو لگتا ہے وہ رکی ہوئی ہے اور سڑک چل رہی ہے۔ جو بات دوسری اداکارائیں گھنٹہ بول کر نہیں سمجھا سکتیں' یہ بولے بغیر سمجھا سکتی ہے۔ ایک بار وجنتی مالا سے کسی صحافی نے طویل انٹرویو کیا اور آخر میں پوچھا' "کیا آپ عورت ہیں؟" تو وجنتی مالا نے کہا "جب میں نے آخری بار شیشہ دیکھا تھا' تب تک تو عورت تھی۔" یہی بات ایک صحافی نے ریما سے پوچھی تو اس نے کہا' "یہ جھوٹ ہے' میں لڑکی ہوں۔" اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو بہت مشہور اداکارہ ہونے کے لئے چاہئیں اداکاری بھی کر لیتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بیان ایاز راشدی صاحب نے ریما کا "گانا" سن کر ہی دیا ہو۔ پھر بھی ان کے بیان سے لگتا ہے کہ وہ جو بیان کرنا چاہتے تھے' وہ رہ گیا ہے۔ البتہ ایسے ہی ایک صاحب امریکہ سے آ رہے تھے۔ جہاز میں انہیں فلمسٹار ندیم کے ساتھ والی سیٹ ملی۔ دوران سفر گپ شپ ہوتی رہی۔ ان صاحب نے بتایا کہ ان کا تعلق محکمہ ثقافت سے ہے اور ایک ثقافتی طائفے کے ساتھ امریکہ کے دورے سے واپس آ رہے ہیں۔ اسلام آباد اترتے وقت ان صاحب نے پوچھا "آپ کے ساتھ بہت اچھا سفر کٹا۔ مگر آپ کا نام ذہن سے اتر گیا۔" ندیم نے اپنا نام بتایا تو ان صاحب نے پوچھا' "آپ کام کیا کرتے ہیں؟" سو یہ تو شکر ہے انہوں

نے میڈم نور جہاں سے یہ نہیں پوچھ لیا کہ آپ کیا کرتی ہیں؟ بہرحال ان کے بیانوں سے میڈم نور جہاں پورے نہیں تو آدھے پاکستان میں تو مشہور ہو گئی ہیں' جس پر میڈم کو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

مارلن برانڈو نے کہا "ایکٹرس وہ ہوتی ہے جو صرف اس وقت آپ کی بات سنتی ہے' جب آپ اس کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔" لیکن میڈم جب کسی کو اپنا ذکر کرتے سنتی ہیں تو سنانے لگتی ہیں۔ جہاں تک ان کے فن کا تعلق ہے اس پر تو ایاز راشدی صاحب جیسے ماہر فن نقاد ہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ ایک بار انڈیا کے مشہور ڈائریکٹر ستیہ جیت رے کو ایک تھیٹر پروڈیوسر زبردستی اپنا ڈرامہ دکھانے لے گئے کہ اس میں گھوڑے نے بڑی اچھی اداکاری کی ہے۔ ستیہ جیت رے اداکار کی پرفارمنس دیکھتے رہے۔ گھوڑے کا سین آیا تو پروڈیوسر نے کہا "دیکھا سر! گھوڑا کتنا اچھا ایکٹر ہے۔" اسی لمحہ گھوڑے کی ٹانگ لگنے سے ہیرو گر پڑا تو ستیہ جیت رے نے کہا' "یہ تو بہت اچھا نقاد بھی ہے۔"

کہتے ہیں "افغانستان میں محکمہ ریلوے نہیں ہے تو پاکستان میں محکمہ ثقافت کیوں ہے؟" لیکن اس کے باوجود ہماری جن انڈسٹریز کی مصنوعات کی بیرون ملک مانگ ہے' اس میں فلم انڈسٹری بھی شامل ہے۔ ہماری ایک مشہور اداکارہ کو ہالی وڈ میں چند منٹوں کے سین کی آفر ہوئی تو اس نے کہا یہ کردار کرنے سے تو پاکستان میں بحیثیت اداکارہ میری جو "ریپوٹیشن" ہے' وہ ختم ہو جائے گی۔ تو ڈائریکٹر نے کہا "اسی لئے تو کہہ رہا ہوں' یہ آپ کے لئے گولڈن چانس ہے۔" بہرحال ریما کی اداکاری سے کوئی متاثر نہ ہو' اس کی کاری ادا سے سب متاثر ہیں۔ اب تو متاثرین میں ملکہ ترنم نور جہاں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ لیکن جمشید ظفر صاحب نے کہا ہے کہ ایاز راشدی اور ریما دونوں میڈم سے سوری کریں۔ ایک ایسی ہی اداکارہ کی پہلی فلم کے شو کے بعد تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ پوری ٹیم نے اپنے تاثرات بیان کئے۔ پروڈیوسر نے ہیروئن سے کہا' "آپ بھی اپنے کردار کے بارے میں لوگوں کو بتائیں" تو وہ گھبرا کر بولی' "کردار کے بارے میں؟" پروڈیوسر نے کہا' "فلم کے بارے میں اپنا تاثر بیان کر دیں۔" اداکارہ نے کہا' "میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔" تو پروڈیوسر نے کہا' "تو کم از کم سٹیج پر آ کر سوری تو کر دو۔" کچھ یہی بات جمشید ظفر صاحب نے کی ہے' لیکن میرا خیال ہے کہ اس سارے معاملے میں انہیں پریشان ہونے کی اتنی ضرورت نہیں' جتنی مسز ایاز راشدی کو ہونی چاہئے۔



الزبتھ ٹیلر اور بشیرا ٹیلر

جب سے الزبتھ ٹیلر کی آٹھویں شادی کی خبر آئی ہے بشیرا ٹیلر بہت پریشان ہے۔ اسے یہ غصہ ہے کہ الزبتھ ٹیلر نے اگر آٹھویں شادی کرنا ہی تھی تو کسی ٹیلر سے کرتی۔ اس نے برادری سے باہر شادی کر کے اچھا نہیں کیا۔ ہمارے ہاں تو برادری کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ میں نے ایک تحریر میں دو تین بار لفظ ہنگامہ ارائیاں لکھ دیا تو میرے ہمسائے ناراض ہو گئے کہ آخر میں ارائیوں کے ساتھ ہی لفظ ہنگامہ کیوں لگاتا ہوں۔ ہنگامہ کشمیریاں کیوں نہیں لکھتا۔ یہی نہیں جب کرنل محمد خان کی ''بزم آرائیاں'' کی خبران تک پہنچی تو انہوں نے کرنل محمد خان کو اس بزم کا رکن بننے کے لئے خط لکھ دیا۔

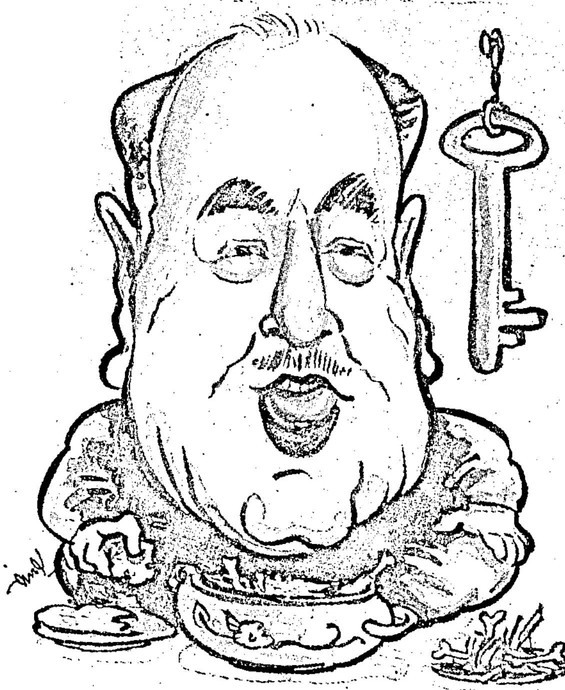
الزبتھ ٹیلر ان خواتین میں سے ہے جن کے خاوند خود کو ان کا سابق شوہروں کہتے ہیں' جیسے حنیف رامے خود کو سابق وزیر اعلیٰ کہتے ہیں۔ شادی ایک لفظ نہیں' پورا جملہ ہے۔ پہلے مغرب میں سوچا جاتا تھا کہ شادیاں اس لئے زیادہ ناکام ہوتی ہیں کہ بیشتر شادی کرنے والوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوتا۔ لیکن الزبتھ ٹیلر نے اس کام میں ملکہ حاصل کیا مگر پھر بھی ہر شادی سے جو نتیجہ نکلا' وہ طلاق ہی ہے۔ بلکہ کہتے ہیں اس نے طلاقیں زیادہ لیں شادیاں کم کیں۔ جب اس کی چوتھی شادی ایڈی فشر سے ہو رہی تھی تو ایڈی فشر کے دوست نے کہا' "ایڈی! آج تمہاری زندگی کا خوشگوار ترین دن ہے۔" تو ایڈی نے کہا' "دوست مگر میری شادی تو کل ہو رہی ہے۔" تو اس نے کہا "اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔" اس شادی کا منطقی انجام بھی طلاق پر ہوا تو الزبتھ نے توبہ کی کہ چوتھی شادی نے مجھے اتنا تنگ کیا ہے کہ میں آئندہ کبھی چوتھی شادی نہیں کروں گی' اگر کی بھی تو ایڈی فشر سے ہرگز نہ کروں گی۔ پانچویں چھٹی شادی رچرڈ برٹن سے کی۔ کسی نے پوچھا "آپ نے رچرڈ برٹن سے دوبارہ طلاق کیوں لی' اس کی وجہ؟" تو الزبتھ ٹیلر نے کہا "دوبارہ طلاق اس لئے لینا پڑی کہ میں نے اس سے دوبارہ شادی کی تھی۔ جب وہ دوبارہ رچرڈ برٹن سے شادی کرنے لگی تو ایک اداکارہ نے دوسری سے کہا' "دیکھو الزبتھ اپنے X-Husband سے شادی کر رہی ہے۔" تو دوسری نے کہا "مجھے تو نہیں پتہ تھا کہ الزبتھ خاوندوں کا حساب حروف تہجی میں رکھتی ہے۔" لیکن چھ ماہ بعد ہی جب نوبت طلاق تک پہنچی تو الزبتھ نے کہا' "تمہیں مجھ جیسی بیوی کبھی نہیں ملے گی۔" تو رچرڈ برٹن نے کہا' "اسی امید پر تو طلاق لے رہا ہوں۔"

ساتویں شادی پر الزبتھ نے ساتھی اداکاراؤں کو دعوتی کارڈ بھیجے۔ تو ایک اداکارہ نے مبارک باد کا کارڈ بھیجتے ہوئے لکھا کہ میں معذرت خواہ ہوں کہ اس بار آپ کی شادی میں نہ آسکوں گی' آئندہ کبھی ایسا نہ ہو گا۔ ایک اداکارہ نے اپنے خاوند کو کہہ دیا کہ میں الزبتھ کی شادی کی تقریب میں نہیں جاؤں گی' مجھے شرم آتی ہے' ایسی تقریبات کے سلسلے میں کئی بار اس کے ہاں گئی ہوں اور خود اسے ایک بار بھی نہیں بلا سکی۔ الزبتھ کی آٹھویں شادی لاری فورٹینسکی سے ہو رہی ہے جو پہلے لاری چلایا کرتا تھا۔ اس کے دوستوں نے بتایا کہ وہ جب ڈرائیور تھا' تب بھی حادثے کر دیا کرتا تھا۔ الزبتھ ٹیلر نے اس شادی کو آخری شادی قرار دیا ہے۔ صحیح کہا ہے کیونکہ یہ لاری فوٹینسکی کی آخری شادی ہی ہو گی۔

الزبتھ ٹیلر کے فن اداکاری پر تو ہمارے فلمی نقاد ہی رائے دے سکتے ہیں۔

ایک ایسے نقاد انگریزی فلم فیسٹیول میں شرکت کے لئے گئے تو ساتھ والے سے پوچھا' "کیا Nosmo King ان کا بہت بڑا اداکار ہے' ہر طرف اسی کے پوسٹر لگے ہیں۔" تو ساتھ والے نے کہا' "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اداکاروں کا کوئی زیادہ پتہ نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ پوسٹروں پر No Smoking لکھا ہوا ہے۔" الزبتھ عمر کے اس حصے میں ہے جس میں یادداشت ایسی ہوتی ہے کہ بندے کو اپنی عمر بھی بھول جاتی ہے۔ اس سے پوچھو کہ شادی کا Future Tense کیا ہے تو کہے گی۔ "Future Tense" پھر بھی وہ ہنی مون بڑے اہتمام سے مناتی ہے کہ پھر ایسا موقع کئی سال بعد آتا ہے۔ جبکہ ہالی وڈ کی اداکارائیں تو اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ اکثر خاوند کو ہنی مون پر اکیلا ہی جانا پڑتا ہے۔ اس آٹھویں شادی سے پہلے ایک فلم پروڈیوسر الزبتھ میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسے ایک دوست نے مشورہ بھی دیا کہ اگر آپ الزبتھ کی توجہ چاہتے ہیں تو اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ تو اس نے کہا' "اسی لئے نہیں کر رہا کہ میں اس کی توجہ چاہتا ہوں۔"

الزبتھ سے پوچھو کہ آپ نے اداکارہ بننے کے لئے سب سے پہلے کیا کیا تھا؟ تو کہے گی' "سب سے پہلے میں نے صبح گیارہ بجے تک سوئے رہنے کی پریکٹس کی۔" اتنی کہنہ مشق اداکارہ ہونے کے باوجود کوئی سین ریہرسل کے بغیر نہیں کرتی' اس نے تو کبھی شادی بغیر ریہرسل کے نہیں کی۔ اداکاراؤں کی شادیاں اکثر ناکام رہتی ہیں حالانکہ وہ جتنی ایکٹنگ فلم کو کامیاب کرنے کے لئے کرتی ہیں' اس سے آدھی گھر میں کریں تو ازدواجی زندگی سپرہٹ ہو سکتی ہے۔ یوں بھی نکاح نامے پر دستخط کرنا دراصل زندگی کی طویل ترین فلم میں اداکاری کرنے کا کنٹریکٹ سائن کرنا ہی تو ہے۔ شاید اسی لئے ٹائمز کے مارچ ۱۹۸۶ء کے شمارے میں مسز ایڈری شیفرڈ کا خط چھپا کہ میں نے ازدواجی زندگی کے ۳۵ سالوں میں ۲۴ قسم کے رول کئے ہیں۔ ان میں باورچن' جمعدارنی' لیڈی شوفر' نوکرانی' دھوبن' دائی' نرس' ریسپشنسٹ' نرس' جوتے چمکانے والی لڑکی' درزن' خاتون چوکیدار' کھڑکیاں صاف کرنے والی پینٹر' انٹیریئر ڈیکوریٹر' مالن' پلمبر' کار پینٹر' سیکرٹری' ٹیلیفون اٹینڈنٹ' لائبریرین اور کار پارک اٹینڈنٹ کا رول شامل ہے۔ سو ہو سکتا ہے الزبتھ بھی بار بار شادی دراصل اپنے اداکاری کے شوق کی تکمیل کے لئے کرتی ہو۔ اس لئے بشیرا صاحب کو چاہئے کہ اس بار تو الزبتھ ٹیلر اور لاری فورٹینسکی کو شادی کر لینے دیں اور امید رکھیں کہ آئندہ برادری سے باہر شادی نہیں کرے گی۔



میئر اور نائٹ میئر

ہم لاہور کے لارڈ میئر کے بڑے مداح ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم جس کے مداح ہوتے ہیں لوگ اس کو برا سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم تو جسے بددعا دیں وہ ترقی کر جاتا ہے' سو دعا ہی دیتے ہیں۔ ہمیں یہ خبر بھی اسی سلسلے کی کڑی لگتی ہے کہ میئر لاہور نے لکشمی چوک سے ۳۵ سال سے چائے کا کھوکھا چلانے والے غریب دکاندار کا کھوکھا اپنے کسی عزیز کی خاطر اٹھوا دیا۔ ایک خاوند نے اپنی بیوی پر الزام لگایا کہ تم نے میری جیب سے سو کا نوٹ نکالا ہے۔ تو بیوی نے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ تمہاری جیب میں سو کا نوٹ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ میں نے تمہاری جیب میں ہاتھ ہی نہیں ڈالا اور تیسری بات یہ ہے جہاں تم نے نوٹ رکھا تھا وہاں سے جیب

پھٹی ہوئی تھی۔" سو صاحب پہلی بات یہ ہے کہ میئر لاہور خواجہ ریاض محمود نے کھوکھا گروایا ہی نہیں' سب جانتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ کھانے پینے کی دو دکان بند کروائیں' کیونکہ کھانا' ان کی کمزوری ہے جو ان کی طاقت کا باعث ہے۔ اگر انہوں نے چائے کا کھوکھا اٹھوایا ہے تو آپ کو پتہ ہی ہے کہ چائے پینا صحت کے لئے اچھا نہیں اور خواجہ صاحب نے آج تک کسی کا لحاظ نہ کیا ہو' پھر بھی صحت کا لحاظ ہمیشہ کیا۔ سو ممکن ہے وہ عوام کی صحت بہتر بنانے کے لئے چائے کی دکان کی جگہ لسی کی دکان کھلوانا چاہتے ہوں۔ ہریسے کی دکان بھی ہو سکتی ہے' کیونکہ انکا کھلا چیلنج اخبار میں چھپا ہے کہ مجھ سے اچھا ہریسہ کوئی نہیں کھا سکتا۔ چائے تو زیادہ انگریز ہی پیتے ہیں۔ اداکارہ روحی بانو نے کہا ہے' "مجھے پتہ ہے کہ انگریز اتنی چائے کیوں پیتے ہیں؟ میں نے ان کی کافی پی ہے۔" کافی وہ مشروب ہے جو تھوڑی بھی کافی ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں کافی اتنی پی نہیں جاتی' جتنی سنی جاتی ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں کچھ لوگ "ٹی" اس قدر پسند کرتے ہیں کہ بازاروں میں بھی ٹی شرٹیں پہن کر پھرتے ہیں۔ مگر چینی تک چائے کو یہ مقام دیتے ہیں کہ اسے بیوی بچوں کے سامنے نہیں پیتے' اکثر باہر جا کر پیتے ہیں۔ پھر لسی کی یہ ادا خواجہ ریاض محمود صاحب سے زیادہ کسے پسند ہو گی کہ اسے کپ میں نہیں' جگ میں پیتے ہیں اور جگ بھی پورے "جگ" جتنا۔

بچپن میں ہم سوچتے اگر شام کا صدر ہوتا ہے تو صبح کا بھی ہوتا ہو گا' نائٹ میئر ہوتا ہے تو ڈے میئر بھی ہو گا۔ مگر اب پتہ چلا کہ ایک ہی میئر کافی ہوتا ہے۔ خواجہ ریاض محمود' بڑے ریاض کے بعد بلدیہ عظمیٰ لاہور کے چیئرمین بنے اگرچہ عام شہری کے لئے بلدیہ عظمیٰ میں یہی چارم ہے کہ اس میں عظمیٰ بھی ہے۔ پھر بھی جب سے وہ میئر بنے ہیں لاہوری بہت خوش ہیں۔ ایسے ہی جیسے امجد حسین کو گلوکاری پر پرائڈ آف پرفارمنس ملا تو میرا باتھ روم سنگر دوست بہت خوش ہوا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولا' "اس حساب سے تو اگلے سال میری باری ہے۔"

خواجہ ریاض محمود صاحب بچپن میں بھی بچے تھے۔ ایک دن سکول سے گھر آئے تو زخمی تھے۔ گھر والوں نے پوچھا' "کیا ہوا؟" بولے "میں ایک چھوٹے بچے کو ایک بڑے بچے کی مار سے بچا رہا تھا۔" تو گھر والوں نے کہا "یہ تو بڑا بہادری کا کام کیا' مگر وہ چھوٹا بچہ کون تھا؟" کہا: "میں۔" ان سے پوچھو "پڑھائی میں کمزور تھے؟" تو کہتے ہیں' "ہاں! میں مالی طور پر پڑھائی میں کمزور تھا۔" سائنس سے دلچسپی تھی' ایک بار استاد نے کہا' "قانون کشش ثقل کی وجہ سے ہم زمین پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔" تو

موصوف نے پوچھا' "جب کشش ثقل کا قانون دریافت نہیں ہوا تھا تب لوگ زمین پر کیسے ٹھہرتے تھے؟" بچپن امرتسر میں گزارا' گھڑی ان کے پاس بیٹھ جائیں تو اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔

صحت کے معاملے میں محکمہ صحت کے بندے ہیں بلکہ پورا محکمہ صحت ہیں۔ ان کو کوئی بڑے پائے کا میئر کہہ دے تو کہیں گے غلط مجھے چھوٹے پائے زیادہ پسند ہیں۔ ۳۰ سال سے ویٹ لفٹنگ کر رہے ہیں' ہر وقت ڈھائی من وزن اٹھائے پھرتے ہیں کیونکہ اتنا ہی ان کا وزن ہے۔ اس لئے چل رہے ہوں تو لگتا ہی وزنی چیز اٹھائے چل رہے ہیں' ادھر ادھریوں دیکھتے ہیں جیسے کسی کو دیکھ رہے ہوں' حالانکہ خود کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ دوست انہیں گوگا پہلوان کہتے ہیں۔ کسی میٹنگ میں بھی جا رہے ہوں تو لگتا ہے اکھاڑے جا رہے ہیں۔ اکھاڑے جائیں تو اسے بھی اکھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ گھوڑے پر بیٹھنے کا شوق تھا' حالانکہ وزن اتنا ہے کہ گھوڑے پر بیٹھ جائیں تو گھوڑا بیٹھ جائے۔ سو اپنی بارات کار پر گئی تو بھائی کی بارات میں گھوڑے پر بیٹھنے کا شوق پورا کیا۔ پنجابی نہ بھی بول رہے ہوں تو لگتا ہے بول رہے ہیں۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کو جائنٹ فیملی سسٹم کہتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے درخواست لکھی اور اس پر دستخط کرنا بھول گئے۔ اگلے دن اس پر ناراض ہوتے رہے کہ یہ درخواست پتہ نہیں کس نے یہاں رکھی ہے۔ عجیب لوگ ہیں' دستخط بھی نہیں کرتے۔

خواجہ ریاض محمود کچھ بھی کر سکتے ہیں مگر کھانے پینے میں کمی نہیں کر سکتے۔ سو یہ کیسے ہو سکتا ہے' وہ کھوکھا اٹھوا دیں دکاندار کو چاہئے کہ وہ فوراً چائے بند کر کے وہاں دہی لسی شروع کرے۔ خواجہ صاحب کو اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے کیونکہ انہیں روز تقریبات پر جانا ہوتا ہے اور جس تقریب میں وہ نہ سوئیں' اس کے منتظمین پریشان ہو جاتے ہیں کہ خواجہ صاحب کو ہماری تقریب پسند نہیں آ رہی۔



محترمہ آئی جی آئی کو طلاق

مجھے تعریف کرنا ہمیشہ مشکل لگا ہے۔ سکول میں جب ماسٹر صاحب مجھے کہتے کہ ایٹم یا مالیکیول کی تعریف کرو تو میں چپ ہو جاتا۔ اب بھی کسی دوست یا سیاست دان کی تعریف کرنا ہو تو ایسے ہی کرتا ہوں لہٰذا میں طلاق کی تعریف تو نہیں بتا سکتا۔ اتنا پتہ ہے کہ ایک شخص وکیل کے پاس گیا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میں طلاق دے سکتا ہوں؟"

"کیا آپ شادی شدہ ہیں؟"

"جی۔"

"تو آپ دے سکتے ہیں۔"

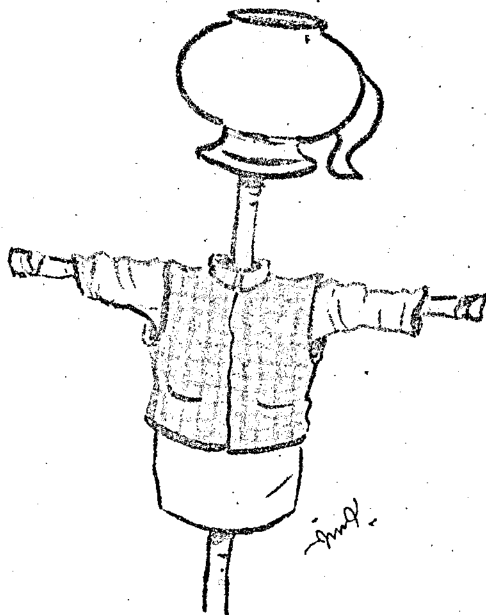
اس لحاظ سے قاضی حسین احمد صاحب محترمہ آئی جے آئی کو طلاق دینے میں حق بجانب ہیں۔ حالانکہ آئی جے آئی میں کوئی خوبی ہو نہ ہو' یہ ضرور ہے کہ آپ ایک بار اس کا نام لیں تو دوبار "آئی" کی آواز دیتی ہے۔ یہی نہیں' جب کوئی خاوند کسی بیوی کو پکارتا ہے تو وہ آگے سے یہی کہتی ہیں' "آئی جی آئی۔" قاضی صاحب نے طلاق دینے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے' پہلے ہمیں کوئی اور آئی جے آئی دکھائی گئی اور ساتھ کوئی اور "ٹور" دی گئی' یہ اصلی آئی جے آئی نہیں۔ یہ تو خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک وہ اسے تین طلاقیں نہیں دے چکے' ورنہ قوم تو ابھی اداکارہ بندیا کے حلالے کے مسئلے سے فارغ نہیں ہوئی۔ اسے ایک اور حلالہ حلال کر دیتا۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہم نے بڑی ترقی کی ہے۔ جس کے پاس پہلے ایک کوٹھی تھی' اس نے دو بنا لیں۔ پہلے ہمارے پاس ایک پاکستان تھا' پھر ہم نے دو بنا لئے۔ یہی حال سیاسی پارٹیوں کا رہا۔ مولانا مفتی محمود صاحب ایک جمعیت علماء اسلام چھوڑ کر گئے تو مولانا فضل الرحمان صاحب نے بڑی مشکلوں سے دو کیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے دن رات ایک کر کے ایک جمعیت علماء پاکستان سے دو بنائیں لیکن جماعت اسلامی ترقی نہ کر سکی' ابھی تک ایک ہی ہے۔ سب سے زیادہ ترقی مسلم لیگ نے کی۔ سوا تین مسلم لیگیں مارکیٹ میں آ گئیں کہ اعلان کرنا پڑا کہ نقالوں سے بچئے' مسلم لیگ لیتے وقت پہلے تسلی کر لیں کہ اس میں پیر پگاڑا صاحب ہیں۔ اگر ہیں تو یہی اصلی مسلم لیگ ہے۔ پیر صاحب تو فرماتے ہیں "جماعت اسلامی دراصل مسلم لیگ ہی کا اردو ترجمہ ہے۔" فرق یہ ہے کہ جماعت میں ایک امیر ہوتا ہے اور مسلم لیگ میں کئی امیر ہوتے ہیں۔ قاضی حسین احمد جماعت کی امارت میں تیسرے نمبر پر آئے ہیں' ان میں ایک نمبر مولانا سید مودودی تھے۔

قاضی حسین احمد صاحب نے جب آنکھ کھولی تو والدہ کو مصلے پر اور والد کو وضو کرتے پایا تو سمجھے' گھر میں نہیں' مسجد میں پیدا ہوئے ہیں۔ والد نے گھر کو مسجد بنایا تو انہوں نے مسجد کو گھر بنا لیا۔ ۱۹۷۰ء میں جماعت اسلامی کے نظم میں ضبط ہوئے۔ مجاہد آدمی ہیں ہاتھ بھی ملا رہے ہوں تو لگتا ہے کہ ہتھ جوڑی کر رہے ہیں۔ کار سے یوں نکلتے ہیں جیسے مورچے سے نکلے ہوں۔ مولانا مودودی تو چھڑی بھی ہاتھ میں یوں پکڑتے جیسے قلم پکڑا ہوا ہو۔ قاضی صاحب قلم بھی یوں پکڑتے ہیں جیسے چھڑی پکڑی ہو۔ ہر کام

رضائے الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو لوگ فوت بھی قضائے الٰہی سے نہیں رضائے الٰہی سے ہوتے ہیں۔ جغرافیے میں ایم اے کیا۔ اس لئے تاریخ سے زیادہ جغرافیہ پر نظر رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے بھارتی حکومت اتنی بوکھلا گئی ہے کہ ایک بھارتی وزیر سے غیر ملکی صحافی نے پوچھا کہ اگر آپ اس فوج سے کشمیر کے حالات پر قابو نہ پا سکتے تو؟ وزیر نے کہا' تو ہم اور فوج بھیج دیں گے۔" صحافی نے پوچھا' "اگر اس فوج سے بھی حالات قابو میں نہ آئے تو؟" تو بھارتی وزیر نے کہا' "تو ہم اپنی بیوی بھیج دیں گے۔"

قاضی حسین احمد صاحب اکثر دوروں کی حالت میں رہتے ہیں۔ ان کے بیان پڑھ کر اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک خاتون اپنے خاوند سے بہت تنگ تھی' اس نے کہا میری تو اللہ سے یہی دعا ہے کہ یا تو تم مر جاؤ یا میں بیوہ ہو جاؤں۔ سو قاضی صاحب نے تازہ تازہ یہ کہا ہے کہ آئی جے آئی کو نہیں چھوڑیں گے' نواز شریف سے اسے چھڑوائیں گے۔ یوں بھی آئی جے آئی پر زیادہ حق جماعت اسلامی کا بنتا ہے کیونکہ آئی جے آئی دراصل "آئی جماعت اسلامی" کا مخفف ہے۔ اب کیا ہوتا ہے اس کا تو ہمیں پتہ نہیں' یہ ضرور پتہ ہے کہ قاضی حسین احمد صاحب نام کے ہی نہیں کام کے بھی قاضی ہیں اور میاں نواز شریف صاحب نام کے ہی نہیں' کام کے بھی میاں ہیں۔



اشتہار برائے ضرورت آقا

لیجئے صاحب! اب تک ہم اشتہار برائے ضرورت نوکر ہی پڑھتے رہے ہیں' پہلی بار ایک صاحب نے ہمیں اشتہار برائے ضرورت آقا بھجوایا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ وہ ایماندار محب وطن' اور بکنے والا نہ ہو۔ سپورٹ بھی کریں گے۔ عمر اور تعلیم کی قید نہیں البتہ پہلے انٹرویو پاس کرنا ضروری ہو گا۔

پہلے تو ہم سمجھے کہ یہ کسی آقا نامی شخص کی ضرورت کا اشتہار ہے اور ساتھ اس کی شناختی علامات درج کی گئی ہیں۔ لیکن یہ پڑھ کر کہ اس کے لئے عمر اور تعلیم کی پابندی نہیں' ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور سیاست دانوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں وہی ہیں جو عمر اور تعلیم کی قید سے آزاد ہیں اور ہوتے بھی ہمارے

آقا ہیں کچھ سابق باقی آئندہ۔ ویسے بھی آج کل بلدیاتی الیکشنوں کی آمد آمد ہے، ہو سکتا ہے یہ اشتہار اس لئے دیا گیا ہو کہ امیدوار ٹکٹ لینے کے لئے درخواستیں دیں پھر ساتھ سپورٹ کا لالچ بھی ہے اور ہمارے ہاں لوگ اپنے بیوی بچوں کو سپورٹ کرنے کے ساتھ اگر کسی اور کو سپورٹ کرتے ہیں تو وہ سیاست دان ہی ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں اس بات کی بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ لوگوں نے آقاؤں میں بھی کچھ خوبیاں ہونے کی ڈیمانڈ شروع کر دی ورنہ ہمارے ہاں آقاؤں میں صرف یہی خوبی ہوتی کہ وہ آقا ہوتے۔ ہم تو بازار سے قمیض کا کپڑا لیتے وقت اس کی کوالٹی کی جتنی پرکھ کرتے ہیں، اس سے آدھی بھی اپنا آقا چنتے وقت نہیں کرتے۔ ہم تو یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس پر "میڈ ان" کی مہر کہاں کی ہے؟

سیاست دان عوام کے نمائندے ہوتے ہیں اور ہمارے ۷۳ فی صد عوام ان پڑھ ہیں سو ان کی نمائندگی کرنے کے لیئے ایسے ہی سیاست دان ہونے چاہئیں۔ شاید اسی لئے اشتہار میں ان کے لئے تعلیم غیر ضرور قرار دی گئی ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں بے روزگار ہونے کے لئے بھی پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ سندھ میں جب تک بندہ گریجوایٹ نہ ہو، تب تک ڈاکو نہیں بن سکتا۔ البتہ پڑھ لکھ نہ سکے تو اس کے لئے صرف یہی سکوپ رہ جاتا ہے کہ وہ وزیر مشیر بن جائے۔

برنارڈ شا نے سیاست دان بننے کی واحد صلاحیت یہ بتائی ہے کہ وہ کچھ نہ جانتا ہو مگر یہ سمجھے کہ وہ سب جانتا ہے۔ للی ٹولین نے کہا ہے کہ امریکہ میں ۹۸ فی صد لوگ محنتی، ایماندار اور مہذب ہیں اور باقی دو فی صد جو اس معیار پر پورے نہیں اترتے، اداکاری شروع کر دیتے ہیں۔ جو اچھے اداکار نکلیں، وہ الیکشن جیت جاتے ہیں۔ شاید اسی لئے اداکار بھی سیاست میں آ رہے ہیں۔ اداکار سید کمال نے کہا تھا کہ میں پیدائشی سیاست دان ہوں کہ جو وعدہ کرتا ہوں، پورا کرتا ہوں اور میں نے ایک بار والدہ سے وعدہ کیا کہ تاش کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا سو ہمیشہ دستانے پہن کر تاش کھیلا۔ سیاست دان خود قیمتی ہوں نہ ہوں، ان کا ذہن بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ ایک بار دماغ ٹرانسپلانٹ کرنا تھا۔ دماغ کی مختلف قیمتیں بتائی گئیں تو سب سے مہنگا دماغ سیاست دان کا نکلا اور سب سے سستا سائنس دان کا۔ کسی نے ڈاکٹر سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ سائنس دان کا دماغ تو استعمال شدہ ہوتا ہے جب کہ سیاست دان کا ویسے کا ویسا فریش۔

کہتے ہیں ایک شخص کو بڑی فکر تھی کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر کیا بنے گا؟ وہ ماہر

نفسیات کے پاس گیا جس نے کہا "ایک کمرے میں سیب، کتاب اور نوٹ رکھ دو۔ اگر بچہ سیب اٹھا لے تو یہ زراعت کے شعبے میں جائے گا اگر کتاب اٹھا لی تو لکھنے پڑھنے میں اور اگر نوٹ اٹھا لیا تو تجارت پسند کرے گا۔" اس شخص نے ایسا ہی کیا سب چیزیں کمرے میں رکھیں اور بچے کو اندر بھیج کر سوراخ سے دیکھنے لگا۔ بچے نے اندر داخل ہوتے ہی نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھا۔ کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے سیب کھانے لگا۔ وہ شخص بھاگا بھاگا ماہر نفسیات کے پاس گیا اور بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ ماہر نفسیات نے کہا "اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے، بچہ بڑا ہو کر سیاست دان بنے گا۔"

سیاست دان پبلک پراپرٹی ہوتے ہیں شاید اسی لئے اب اس پراپرٹی کے ڈیلر بھی مارکیٹ میں آ گئے ہیں۔ بہرحال سابق امریکی صدر ہاورڈ ایک بار اپنے گھر میں کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے کوئی بدتمیزی کی۔ مسز ہاورڈ نے کہا "تم اسے اس بدتمیزی پر سزا کیوں نہیں دیتے۔" ہاورڈ نے کہا، "اگر اس نے یہ بات مجھے ایک باپ سمجھ کر کی ہے تو میں اسے سزا ضرور دوں گا اور اگر امریکہ کا صدر سمجھ کر کہا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔" اگر سیاست دان واقعی پبلک پراپرٹی ہوتے ہیں۔ تو "ضرورت برائے آقا" کا اشتہار اس پراپرٹی کے لین دین کا اشتہار ہے۔ لیکن اس میں انٹرویو پاس کرنے کی شرط کی سمجھ نہیں آئی، کیونکہ انٹرویو تو سیاست دانوں کا مشغلہ ہے جس ہفتے انٹرویو نہ دیں، ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ مگر اشتہار میں انٹرویو "پاس" کرنا لکھا ہے جس سے لگتا ہے، یہ کوئی امتحانی قسم کا انٹرویو ہو گا۔ ایک ایسے ہی امتحان میں امیدوار کو تمام سوالوں کے جواب لکھ کر دے دیئے گئے۔ پھر پوچھا گیا، "بتائیں جارج واشنگٹن کب پیدا ہوا؟" امیدوار کوئی جواب نہ دے سکا تو ممتحن نے کہا، "آپ نے پڑھا نہیں جارج واشنگٹن کے ساتھ ۱۷۳۲ء لکھا ہوا تھا۔" تو اس نے کہا، "اچھا! میں سمجھا یہ ان کا فون نمبر ہے۔" سو اس انٹرویو میں ایسے سوال پوچھنے پڑیں گے۔ ہفتے کے روز کون سا دن ہوتا ہے؟ اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا۔ آپ بتائیں ان دونوں میں باپ کون تھا؟ تحریک پاکستان کا ایک کارکن سات بار جیل گیا، بتائیں وہ کون سی بار جیل میں تھا جب اس کا انتقال ہوا؟ ایک ایسے ہی امیدوار نے انٹرویو میں سو میں سے ۱۰۵ نمبر لئے تو کسی نے ممتحن سے پوچھا "یہ کیسے ممکن ہے؟" تو ممتحن نے کہا۔ "انہوں نے ہر سوال کا جواب ٹھیک دیا اور ایک ان کے پاس ایسا جواب بھی تھا جس کا ہمارے پاس سوال نہ تھا۔"



دولت اور ایک لت

علم دولت ہے تو نقل ایک لت۔ اور جس طرح ہمارا محکمہ تعلیم چل رہا ہے، اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ ایک "لت" پر چل رہا ہے۔ نقل ختم کرنے کے کئی طریقے استعمال کئے گئے مگر وہ سب طریقے نقل ہو کر ختم ہو گئے۔ لیکن وزیر تعلیم عثمان ابراہیم صاحب نے تو کمال ہی کر دیا۔ انہوں نے صرف ایک اخباری بیان سے ۵۰ فیصد نقل کم کر دی۔ انہوں نے کہا کہ نویں اور گیارہویں کے بورڈ کے امتحان نہیں ہوں گے۔ یوں پہلے بورڈ کو ایک سال میں آٹھ امتحان لینے پڑتے، اب صرف چار لیا کرے گا۔ آپ اس سے کچھ بھی مطلب نکالیں، میں تو یہی کہوں گا کہ یہ سب انہوں نے نقل کم کرنے کے لئے کیا ہے کہ پہلے آٹھ امتحانوں میں نقل ہوتی تھی، اب صرف چار میں ہوا

کرے گی۔ یوں نقل فوری طور پر کم ہو کر آدھی رہ گئی ہے۔

ویسے تو نقل وہاں بھی ہوتی ہے جہاں اصل بھی نہیں ہوتی۔ پچھلے دنوں ہالی وڈ کے سکول کے طلبہ کو امتحان میں کہا گیا کہ اپنے والد پر مضمون لکھیں تو ساٹھ میں سے تیس طلبہ کو نقل کرنا پڑی۔ ہمارے ہاں تو کہتے ہیں نقل کے لئے عقل چاہئے' جو نقل نہیں کرتا دراصل وہ عقل نہیں کرتا۔ ایک زمانہ تھا ماسٹر کئی ماہ پہلے ہی امتحان کی تیاریاں شروع کروا دیتے۔ ایک بار ہمارے مڈل کے ٹیچر خوشی محمد صاحب نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میچ پر مضمون آئے گا۔ سو انہوں نے ہمیں "کبڈی میچ" رٹا دیا اور بتایا کہ جو بھی آئے اسے ہی تھوڑا سا بدل کر لکھ دینا لیکن امتحان میں مضمون آگیا "ہوائی جہاز کا سفر" ہمارے ساتھی نے جو مضمون لکھا وہ کچھ یوں تھا "جہاز ہوا میں اڑ رہا تھا میں نے شیشے سے باہر دیکھا تو گراؤنڈ نظر آئی اس میں کبڈی کا میچ ہو رہا تھا اور آگے موصوف نے سارا کبڈی کا میچ لکھ دیا۔" مگر اب تو یہ حال ہے کہ چھٹی کلاس کے طالب علم نے امتحان میں کتے پر مضمون لکھا تو ممتحن نے دیکھ کر کہا' "تمہارا مضمون ہو بہو اگلے لڑکے سے کیوں ملتا ہے؟" تو لڑکے نے کہا سر! اس لئے کہ اس نے بھی اسی کتے کے بارے میں لکھا ہے جس کے متعلق میں نے لکھا ہے۔" اب تو کوئی طالب علم فیل ہو جائے تو اس سے پوچھیں۔

"فیل ہونے کی وجہ؟"

"بیماری"

"مگر تم تو بیمار نہیں ہوئے تھے؟"

"میں تو بیمار نہیں ہوا تھا مگر میرے آگے جو لڑکا بیٹھتا ہے' وہ تو بیمار ہوا تھا۔"

ویسے نقل کا جتنا بھی غلط استعمال کیا ہے' اساتذہ نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں' نقل و حمل۔ آپ خود ہی بتائیں بھلا حمل کا نقل کے ساتھ کیا تعلق۔ پھر نقل مکانی محاورہ بنایا جس سے مراد ہے ایک مکان سے نکل کر دوسرے میں بسنا۔ یوں یہ نقل مکانی تو نہ ہوا نکل مکانی ہوا۔ بہرحال انہی کی وجہ سے اب سندیں' تعلیمی اخراجات کی رسیدیں بن کے رہ گئی ہیں اور کالج یونیورسٹیاں اس لئے کہ لوگوں کو جہالت کی تلاش میں مارا مارا نہ پھرنا پڑے۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے سابق صدر ڈیرک بوک نے کہا تھا کہ اگر تعلیم مہنگی ہو جائے تو جہالت مہنگی نہیں پڑتی۔

جب ہم پڑھتے تھے تو نقل نہ کرنے کے باوجود ہمارے نمبر سب سے زیادہ ہوتے۔ جی ہاں! فیل ہونے والوں میں سب سے زیادہ نمبر ہمارے ہی ہوتے۔ ہمارے

ایک کلاس فیلو کو ماسٹر صاحب نے نقل کرتے پکڑ لیا۔ پوچھا: "نقل کیوں مار رہے تھے؟" کہا "نقل ختم کرنے کے لئے اسے مارنا ضروری ہے۔" ایسے ہی ایک طالب علم سے استاد نے کہا "میں نے نقل لگائی" جملہ درست کرو۔ تو اس نے اس کی یوں درستی کی' "میں نے نقل نہیں لگائی۔" بہرحال اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ لگتا ہے اگلے سال سے جو لڑکے امتحان میں نقل نہیں کریں گے' ان کے خلاف ممتحن کیس بنا دیا کریں گے کیونکہ یونیورسٹی لاء کے مطابق جو امتحانی عملے کے لئے مشکلات پیدا کرے' اس کے خلاف کیس بن سکتا ہے اور نقل نہ کرنے والے کی وجہ سے امتحانی عملے کے لئے مالی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

ہمارے وزیر تعلیم گوجرانوالہ میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ اسی لئے گوجرانوالہ بورڈ کی اس سال کی کارکردگی پورے پاکستان میں سب سے بری رہی۔ جس کی وجہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علاقے پر توجہ نہیں دی۔ حالانکہ وجہ یہ ہوگی کہ توجہ دی۔ ہمارے ایک شاعر دوست ہر بار انگریزی میں فیل ہو جاتے۔ اس بار ملے تو کہا' "اس بار میں انگریزی میں فیل نہیں ہوا۔" پوچھا: "کیسے ممکن ہوا؟" فرمایا: "میں نے انگریزی کا امتحان دیا ہی نہیں تھا۔" سو صاحب ہمارا تو امتحان ابراہیم کو یہی مشورہ ہے کہ وہ نقل کو مستقل ختم کرنے کے لئے اقدام کریں اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ امتحانوں پر پابندی لگا دی جائے' نہ امتحان ہوں گے نہ نقل ہو گی۔ سنٹر بھی نہیں بکیں گے اور اساتذہ کو بھی مرغا بننا نہیں پڑے گا اور پھر طلبہ کے لئے اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہو سکتی ہے۔



قوالی فائیڈ غلوکار

اہل لندن کی بدذوقی کے تو ہم اسی دن قائل ہو گئے تھے جب اداکارہ انجمن پر وہاں ایک گانا پکچرائز ہو رہا تھا۔ تو ایک صاحب شوٹنگ دیکھ کر نکلے تو دوسرے نے پوچھا، "کیا ہو رہا ہے؟ بڑا رش ہے۔" تو وہ بولا: "ریسلنگ ہو رہی ہے" یہی نہیں ورزش کے ایک رسالے نے بحیثیت اتھلیٹ ان کا انٹرویو بھی کرنا چاہا اور اب انہوں نے لاؤنڈز سکوائر لندن میں پاکستانی ہائی کمیشن کی عمارت میں ہماری کوالیفائیڈ بلکہ قوالی فائیڈ قوال فرید صابری کے فن کے مظاہرے کو احتجاجی مظاہرہ سمجھ کر منتظمین کو اسے فوراً بند کرنے کا حکم دیا۔ جب ہائی کمیشن کے حکام نے پولیس والوں کو سمجھانے کی کوشش کی تو پولیس آفیسر نے کہا کہ آس پاس بسنے والے لوگوں کو شکایت تھی کہ شور و

غل کی وجہ سے ان کی نیندیں حرام ہو رہی ہیں۔ یوں پولیس کی بار بار مداخلت سے پاکستان کلچرل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ہونے والی یہ قوالی کی تقریب ادھوری چھوڑنا پڑی۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں قوالی ہوتی ہی مزاروں پر ہے کہ وہاں کوئی اٹھ کر یوں احتجاج تو نہیں کرتا۔

قوالی وہ گیت ہے جس میں بہت سے مل کر یوں گاتے ہیں کہ کسی ایک کو بھی نہیں گانے دیتے۔ اس میں تالیاں بھی سننے والے نہیں، گانے والے خود ہی بجاتے ہیں۔ قوال بار بار تان لگانے کے لئے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں، حالانکہ یہ کام بھی سننے والوں کا ہے۔ غلام فرید صابری ہمارے بڑے صابر قوال ہیں جنہیں سامنے سے دیکھو تو لگتا ہے، گا رہے ہیں اور پیچھے سے دیکھو تو لگتا ہے گا رہی ہیں۔ اگرچہ نصرت فتح علی خان کی طرح وہ اتنے بڑے تو نہیں ہیں کہ ایک بار نصرت فتح علی خان اکیلے سڑک پر کھڑے تھے، ایک رکشے کو روکا کہا: "داتا صاحب چلنا ہے، کتنے پیسے لو گے؟" اس نے کہا، "چالیس روپے۔" نصرت فتح علی خان نے کہا، "بیس روپے بنتے ہیں" تو رکشے والا بولا، "ہاں ایک پھیرے کے تو بیس ہی بنتے ہیں" کہتے ہیں موسیقی پیدا کرنا دراصل بچہ پیدا کرنا ہے اور فرید صابری کو آپ گاتے دیکھ لیں تو اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ وہ تو دور بیٹھے ہوں تو لگتا ہے، پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ کھڑے ہوں تو لگتا ہے بیٹھے ہوئے ہیں اور اگر کسی تقریب میں بیٹھ جائیں تو لوگ شکایت کرنے لگتے ہیں کہ عجیب آدمی ہے، بغیر بتلائے ہی چلا گیا۔ آواز ایسی کہ صابری صاحب لندن سے پاکستان فون کر رہے ہوں تو سننے والا کہے گا، فون بند کر دیں، آپ کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ وہ لندن میں وُجد کے عالم میں قوالی کر رہے تھے کہ آس پاس والوں نے آواز سن کر سمجھا، اندر کسی پر تشدد ہو رہا ہے۔ انہوں نے پولیس بلالی اور غلام فرید صابری صاحب کو گاتے دیکھ کر پولیس کو اس کا یقین بھی آگیا۔ سو انہوں نے فرید صابری صاحب کو سامعین کے "چنگل" سے آزاد کرایا۔ ایسے ہی جنرل ٹکا خان صاحب کو ایک مشاعرے میں بلایا گیا۔ سامعین بار بار اٹھ کر شاعر کو مکرر! مکرر! کہتے۔ ٹکا خان سے نہ ٹکا گیا، کھڑے ہو کر کہا "خبردار! کسی نے شاعر کو دوبارہ تنگ کیا تو، پہلی بار ہی غور سے سنیں۔"

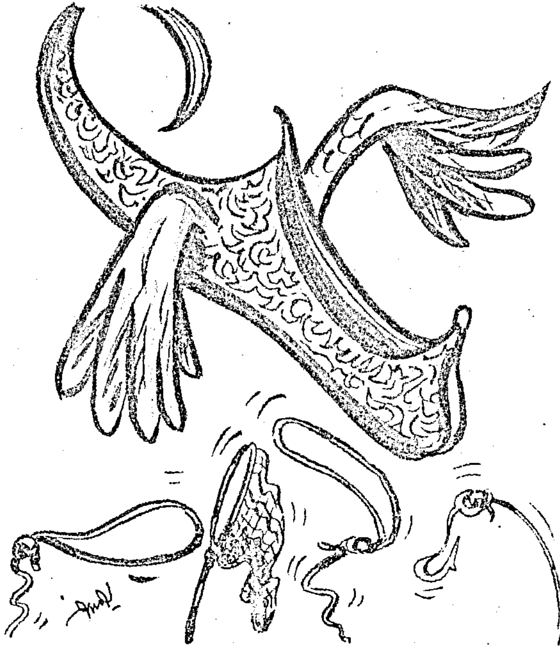
بیومارشش کہتا ہے اگر کوئی بات کہنے کے قابل نہ ہو تو اسے گا دو۔ ۳۵ قبل مسیح کے ایک دانشور نے کمال کی بات کی ہے کہ تمام گلوکاروں میں یہ خامی ہوتی ہے کہ جب وہ دوستوں کے درمیان ہوتے ہیں اور ان سے گانے کے لئے کہا جائے تو وہ

گاتے نہیں اور جب انہیں گانے کے لئے نہ کہا جائے تو وہ چپ نہیں ہوتے۔ ہمارا ایک دوست بھی بچوں کو سلانے کے لئے گاتا ہے اور جب وہ گانا بند کرتا ہے، بچے سو جاتے ہیں۔ خود کو ٹی وی کا آؤٹ سٹینڈنگ گلوکار کہتا ہے۔ ویسے آؤٹ سے مراد باہر اور سٹینڈنگ سے مراد کھڑا ہونا ہے تو وہ واقعی ٹی وی کا آؤٹ سٹینڈنگ گلوکار ہی ہے۔ ایک اداکار نے کہا "میری بیوی شادی سے پہلے گاتی تھی، اب تو بچے ہو گئے ہیں، اسے گانے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔" تو دوسرے نے کہا، "اسی لئے تو کہتے ہیں کہ بچے اللہ کی نعمت ہوتے ہیں۔" ویسے جب وہ ہال میں گاتی تو ۸:۳۰ پر پردہ اٹھتا اور ۸:۴۰ پر سامعین اٹھتے۔ اسے ایک گانے پر دو میڈل بھی ملے، ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ پوچھا "چھوٹا میڈل کس بات پر ملا"؟ تو کہنے لگیں "گانا شروع کرنے پر۔" "اور بڑا میڈل"؟ بولیں، "گانا ختم کرنے پر۔"

گانا سننے کا ہمارے ہاں بڑا شوق ہے۔ گزشتہ دنوں ریڈیو پر فرمائش نشر ہو رہی تھی کہ گوجرانوالہ سے مسز کمال اور مسز خان لاہور سے مسز اکبر، مسز ریحان، مسز علی اور کئی شہروں سے کئی مسز جس گانے کے لئے فرمائش کر رہی تھیں، وہ گانا تھا۔

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

ویسے اہل لندن اتنے باذوق ضرور ہیں کہ چمڑے کے دستانے پہنے ہوں تو سگریٹ نہیں پیتے اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چمڑہ جلنے کی بو اچھی نہیں لگتی۔ صفائی کا یہ عالم کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا، "میری بیوی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" دوسرے نے پوچھا: "کب؟" تو وہ بولا "جب میں نہا رہا تھا" دوسرے نے کہا "اچھا! پھر تو اسے اس دن کے لئے کئی سال انتظار کرنا پڑا ہو گا۔" ان کا اپنا میوزک کیا ہو گا جس کے نام میں بھی پاپ ہے؟ بہرحال ان کا گانا سمجھ میں آئے نہ آئے، گانے والی سمجھ میں آ رہی ہوتی ہے۔ ان کے گانے ہوتے ہی آنکھوں سے سننے والے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کے عظیم گلوکار روسو کے گانا گانے پر انڈوں کی بارش کر دیتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ جب بیکری والوں کے پاس انڈوں کا بہت اسٹاک ہو جاتا تو وہ روسو کا شو کرانے کا سوچنے لگتے۔ سو انہوں نے فرید صابری کے ساتھ جو کیا، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ انہیں اس حرکت پر کوئی سزا دینے کی ضرورت نہیں بلکہ انہیں قوالی سنانے کی ضرورت ہے۔



جوتا نامہ

ابن انشاء جوتا لینے گئے انہیں پسند بھی آگیا مگر کہا کہ یکم کے بعد لوں گا۔ تو دکاندار نے کہا "جناب! پہلی کے بعد نہیں ملے گا کیونکہ پہلی سے سیاسی سرگرمیوں سے پابندی اٹھائی جا رہی ہے۔" میں اس بات کو لطیفہ ہی سمجھتا اگر آج یہ سروے رپورٹ نہ پڑھ لیتا جس کے مطابق الیکشن کے دنوں میں جوتے زیادہ بکتے ہیں۔ اتنا تو علم تھا کہ جوتے ہماری سیاست میں بہت اہم رہے ہیں کیونکہ ہم لوگ جوتے اتار کر کرسی اقتدار پر بیٹھتے ہیں اور عوام بھی یہی کچھ اتار کر ہمیں کرسی سے اتارتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو ایک جلسے میں تقریر کر رہے تھے کہ حاضرین نے جوتے دکھانے شروع کر دیئے' بھٹو مرحوم نے کہا کہ مجھے پتہ ہے' جوتے بہت مہنگے ہو گئے

ہیں' آپ فکر نہ کریں۔ یہی نہیں پچھلے دنوں پیپلز پارٹی کے تنظیمی اجلاس کی دوران دھینگا مشتی میں ایک مقامی لیڈر کو جوتا لگ گیا تو اس کے ساتھی نے کہا' "میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس جوتا لگنے میں فلاں کارکن کا ہاتھ تھا۔" تو مقامی لیڈر نے کہا "نہیں اس جوتے میں اس کا ہاتھ نہیں تھا" میاں نواز شریف صاحب جب سانحہ اسلام پورہ کے مقتولین کے گھر تعزیت کرنے گئے تو واپسی پر ان کے جوتے غائب تھے۔ چند لمحوں کے لئے وزیر اعظم سوچ میں پڑ گئے۔ کسی نے پوچھا "کیا وہ یہ سوچ رہے تھے کہ قوم چور ہو گئی ہے؟" دوسرے نے کہا "نہیں قوم پر انہیں اتنا اعتماد ہے' وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ میں جوتا پہن کر آیا تھا یا نہیں۔"

جوتا پاؤں کا لباس ہے۔ اس کو جوتا شاید کہتے ہی اس لئے ہیں کہ ہر کسی نے اسے پاؤں میں جوت رکھا ہوتا ہے۔ اسے Boot بھی کہتے ہیں۔ Boat پر ندی پار کی جاتی ہے اور Boot پر خشکی پار کی جاتی ہے۔

جوتے کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک تھانے کا ذکر نہ ہو' کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں جوتا صرف پہننے کی چیز نہیں سمجھا جاتا' ایک شخص جوتا خرید کر لایا مگر اگلے ہی دن واپس کرنے پہنچ گیا۔ دکاندار نے وجہ پوچھی تو بولا' "یہ پولیس شوز ہیں۔" پوچھا: "کیسے؟" کہنے لگا' "جب بھی اس میں پاؤں ڈالتا ہوں تنگ کرنے لگتے ہیں۔" مسجد میں جوتے آگے رکھے جائیں تو نماز نہیں ہوتی اور پیچھے رکھے جائیں تو جوتے نہیں ہوتے۔

خواتین کو تو ویسے ہی جوتے اتنے اچھے لگتے ہیں کہ وہ مرد کو دیکھنا ہی جوتوں سے شروع کرتی ہیں۔ جسے دیکھنا بند کرنا ہو اس کے لئے بھی جوتے ہی استعمال کرتی ہیں۔ امیلڈا مارکوس کے تو جوتے ہی کوس میں آتے جو ملنے جاتا اسے جوتے دکھاتی۔ ایک بار ایک سہیلی کو جوتے دکھا رہی تھی کہ یہ اس لئے ہیں جب میرا دل ہلکے جوتے پہننے کو چاہے اور یہ اس وقت کے لئے ہیں جب بھاری جوتے پہننے کو دل کرے اور یہ جوتے اس لئے ہیں کہ کبھی بندے کا دل جوتے پہننے کو نہیں بھی چاہتا۔ اور تو اور رئیسہ گوربا چوف "مائی سٹوری" میں لکھتی ہیں اگرچہ اب تو محترمہ اس عمر کی ہے کہ مائی پنجابی کا لفظ لگتا ہے بہرحال انہوں نے لکھا ہے کہ شادی کے وقت گوربا چوف اتنا غریب تھا کہ اس کے پاس شادی پر پہننے کے لئے کپڑے تک نہ تھے۔ سو مجھے اپنی سہیلی سے جوتے ادھار لے کر شادی کرنا پڑی۔ ہم تو سمجھتے تھے جوتوں کی ضرورت شادی کے بعد ہی پڑتی ہے لیکن اب پتہ چلا کہ شادی بھی جوتوں کے زور پر ہوتی ہے۔ بہرحال رئیسہ

نے سہیلی سے جوتے مانگنے کی وجہ یہی لکھی ہے کہ گوربا چوف بہت غریب تھا اور شادی کے لئے کپڑے نہیں خرید سکتا تھا۔ سچ ہے "غریب" بری بلا ہے۔ جوتے کی ایڑی پہلی بار اس محبوبہ نے ایجاد کی جس کے عاشق نے اس کا ماتھا چوما۔ بہرحال ایڑی نہ ہوتی تو خواتین ایڑی چوٹی کا زور نہ لگا سکتیں۔

ادب میں جوتے بہت چلتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد اختر شیرانی انار کلی میں جوتے خریدنے گئے انہیں کوئی جوتا پسند نہ آیا تو دکاندار نے کہا "اتنے جوتے پڑے ہیں مگر آپ ابھی تک مطمئن نہیں ہوئے "اختر شیرانی یہ طنز سمجھ گئے فوراً جوتا پہن کر بولے "بارہ روپے لینے ہیں یا اتاروں جوتا؟" ایک شخص نے جوتوں کی دکان کھولی اور اکبر الہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "حضور اس پر شعر عنایت فرما دیں تو آپ نے لکھا:

شو میکری کی دیکھئے کھولی ہے اک دکان
اب روٹی کو ہم کمائیں گے جوتوں کے زور پر

ویسے اتنے جوتے پاؤں میں نہیں پڑتے جتنے سیاست میں پڑتے ہیں۔ ظفر علی خان نے لکھا ہے:

کانگریس آ رہی ہے ننگے پاؤں
جی میں آتا ہے بڑھ کے دوں جوتا

ہم جن دنوں سیکریٹریٹ میں ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کے چکر لگایا کرتے تھے ایک ڈاکٹر سے پوچھا' "یہاں کام ہونے میں کتنی دیر لگ جاتی ہے۔" تو اس نے کہا' "دو جوڑے جوتے۔" لیکن صاحب ہمیں ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا الیکشنوں میں جو جوتے بکتے ہیں انہیں خریدتا کون ہے؟ ایک جوتا شناس سے پوچھا تو وہ یہ واقعہ سنا کر چپ ہو گیا کہ ایک صاحب سبزی فروش کے پاس گئے:

"میاں سارے ٹماٹر دے دو۔"

"اتنے ٹماٹروں کا آپ کیا کریں گے؟"

"سامنے ہال میں ایک فن کار اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔"

"آپ اس پر برسائیں گے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"دراصل وہ فن کار میں ہوں۔"



سفری شہزادہ

لمبے روٹ پر چلنے والی بسوں پر سفری شہزادہ لکھا ہوتا ہے اور اگر وہ نہ "چلتی" ہوں تو غیور ڈرائیور اس پر شہزادی لکھتے ہیں۔ شفیق سلیمی بھی سفری شہزادہ ہے۔ اس وقت رکتا ہے' جب غزل سناتا ہو۔ بیرون ملک مقیم شادی شدہ شاعر جب واپس گھر آتے ہیں تو آتے ہی ان کا دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو شعر سناتے ہیں۔ اسی لئے شفیق سلیمی سے پوچھو کہ کب آؤ گے؟ تو کہے گا انشاء اللہ اگلی غزل پر۔

کہتا ہے "میں "روزی" کی تلاش میں ابو ظہبی گیا۔" مگر اس انداز سے کہتا ہے کہ اچھے خاصے شخص کو بھی "روزی" کے کردار پر شک ہونے لگتا ہے۔ بال بچوں اور بچے بالوں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے' "میں پاکستان آتا ہی بچوں سے ملنے

کے لئے ہوں۔" شاید اسی لئے جب بھی آتا ہے قائم نقوی اور علی اصغر کو ضرور ملتا ہے۔ ہر خاتون کو یوں دیکھتا ہے جیسے اس کی کچھ لگتی ہو جب کہ اجمل نیازی ہر خاتون کو یوں دیکھتا ہے جیسے اس سے کچھ لگتی ہو۔ ابو ظہبی میں جب سے بچوں کو پڑھانے لگا ہے' یہ فرق پڑا ہے کہ اب بچوں کو ان کی مائیں سکول چھوڑنے خود آنے لگی ہیں۔

وہ اداکار بھی ہے اس لئے لباس پہننے میں احتیاط برتا ہے اگر اداکارہ ہوتا تو لباس پہننے سے احتیاط برتتا۔ ایسی ہی ایک اداکارہ نے ڈاکٹر کو کہا کہ انجکشن ایسی جگہ لگائیں کہ کسی کو اس کا نشان نظر نہ آئے تو ڈاکٹر نے کافی دیر سوچ و بچار کے بعد انجکشن چمچ میں ڈال کر اسے دے دیا۔ شفیق سلیمی اچھا اداکار ہے۔ اس نے بغیر کسی ریہرسل کے خاوند کا رول کیا اور ابھی تک کر رہا ہے۔ جب کہ ہم جیسے تو ابھی تک ریہرسلیں کر رہے ہیں۔ دن میں ایک بار ضرور نہاتا ہے' جس دن کسی شاعر ادیب سے نہ ملے اس دن بھی نہا لیتا ہے۔ اسے تو صفائی اس قدر پسند ہے کہ کالج کے زمانے میں اس نے ایک ڈرامے میں شاعر کا رول کیا مگر ہر سین میں وکیل صفائی ساتھ رکھا۔

خوش لباس ہے۔ صحافی سوٹ بھی پہنتا ہے' یاد رہے صحافی سوٹ وہ ہوتا ہے جس میں جیبیں اتنی بڑی ہوں کہ پیٹ بھرا ہو تو پھر بھی بندہ کھانے کی تقریبات میں شرکت کر سکے۔

شفیق سلیمی سرگوشیوں میں بات کرتا ہے۔ اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرا آپ کی بات پر فوراً یقین کر لے تو وہی بات سرگوشی میں کریں' دوسرا فوراً یقین کر لے گا۔ اسی لئے جب کوئی جوڑا بیٹھا سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے تو وہ دراصل ملک سے بے یقینی کا خاتمہ کر رہا ہوتا ہے۔

اسے نوکریاں چھوڑنے کا بہت شوق ہے۔ وہ تو اس جگہ نوکری کرتا ہی نہیں' جہاں سے چھوڑ نہ سکے' شادی پتہ نہیں اس نے کیسے کر لی۔ خالد احمد کے ساتھ مل کر فنانس کمپنی میں بھی کام کیا' اس قدر محنت کی کہ فنانس نہ رہا اور کمپنی رہ گئی۔

شفیق سلیمی دل کا مریض ہے۔ اس لئے ڈاکٹروں نے اسے ورزش کرنے اور عبدالعزیز خالد کی شاعری پڑھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ابو ظہبی میں دوستوں کی یوں خاطر کرتا ہے کہ لگتا ہے شفیق سلیمی کے ہاں سے تیل نکلتا ہے۔ یہ ہے بھی ٹھیک دوستوں کی وجہ سے اکثر اس کا تیل نکلتا رہتا ہے۔ اسے خوبصورتی سے پیار ہے جب کسی خوبصورت چہرے کو دیکھنا چاہے تو آئینہ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ ہم نے آج تک لوگ اللہ کو پیارے ہوتے ہی دیکھے ہیں خود کو پیارا ہوتے صرف شفیق سلیمی ہی کو دیکھا ہے۔



عباس۔ تا۔ بش

عباس تابش کو عباس۔ تا۔ بش کہنا ایسا ہی ہے جیسے عباس تا "آسان" کہنا۔ پھر بش کے پاس امریکہ ہی نہیں ذاتی بار برا بھی ہے اور عباس کے پاس تو ذاتی بار بر بھی نہیں بلکہ یہ تو بار بر سے ایک شیو کرا لے تو وہ تین کے پیسے مانگتا ہے۔

دور سے ہر کوئی خوبصورت لگتا ہے یہاں تک کہ اپنی بیوی بھی اچھی لگتی ہے اور جب وہ پاس ہوتی ہے تو بندے کو لگتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن عباس کو دور سے دیکھ کر لگتا ہے جیسے سیدھا قبل مسیح سے آپ ہی کو ملنے آ رہا ہے۔ ادھر ادھریوں دیکھتا ہے جیسے آپ کو بھاگنے کا موقع دے رہا ہو مگر جوں جوں قریب آتا ہے' پھر آتا ہی ہے' جاتا نہیں۔ اس کی عمر کیا ہے؟ اسے خود پتہ نہیں۔ جوں جوں اس

کے مسائل بڑھتے رہے وہ سمجھتا رہا' بڑا ہو رہا ہے حالانکہ وہ تو عین بچپن میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ دیکھنے میں اس عمر کا لگتا ہے جس میں سب سے آسان کام شعر کہنا ہے مگر عباس نے نوجوانوں کے لئے شعر کہنا اتنا ہی مشکل کر دیا ہے جتنی اس نے مشکلیں سہی ہیں۔
اب تو مشکلیں سہہ سہہ کر یہ حالت ہو گئی ہے کہ دوست اسے خوش کرنے کے لئے لطیفہ نہیں سناتے' اپنی مشکل سناتے ہیں۔

بیٹھا ہوا ہو تو لگتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی حرکت ہی نہیں کی۔ البتہ چلنے لگے تو یقین نہیں آتا کہ رکاوٹ کے بغیر رک بھی سکے گا۔ یوں چلتا ہے جیسے ظفر اقبال صاحب کا دماغ چلتا ہے۔

عباس خواتین کے پردے کے اس قدر حق میں ہے کہ عورتوں سے باتیں بھی پردے میں ہی کرنا چاہتا ہے۔ عورتوں کے پاس یوں بیٹھا ہوتا ہے جیسے اعتکاف بیٹھا ہو۔ اتنا ٹھنڈا ہے کہ سخت گرمیوں میں بھی لڑکیوں کو کمبل لے کر اس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے۔ ویسے وہ بڑا کامیاب خاوند ثابت ہو گا کیونکہ جو خالد احمد کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے' وہ ہر قسم کی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

یادداشت ایسی کہ غسل خانے کا دروازہ کھول کر بھول جاتا ہے کہ وہ آ رہا ہے یا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی تو غسل خانے میں بھی جا کر بھول جاتا ہے کہ وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے؟ اور غزل کہہ کر لوٹ آتا ہے۔ آپ کی باتیں سن کر یوں سر ہلاتا ہے جیسے جو بات آپ نے اس کے کان میں ڈالی' اسے سر میں مکس کر رہا ہے۔ جب کسی پسند کے بندے سے کلام کرنا چاہے تو خود کلامی کرنے لگتا ہے۔

جسے دشمن نہ بنانا چاہے' اسے گہرا دوست نہیں بناتا۔ البتہ دوستوں دشمنوں' سب کے ساتھ پیار سے ملتا ہے' اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ کس ملنے والے کو دوست سمجھ رہا ہے اور کسے دشمن۔ دوستوں کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ اگر کبھی بیمار ہو جائے تو گھر گھر جا کر ان سے عیادت کرواتا ہے۔ ہر چیز کا حساب غزلوں سے کرتا ہے۔ ایک دن کسی نے کہا "آج مہینے کی پچیس تاریخ ہے؟" اپنی غزلیں گن کر کہنے لگا "نہیں چوبیس ہے!"۔

اسے ملنے کے بعد بھی بندے کی اس سے آدھی ملاقات ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ آدھا آپ کے پاس بیٹھا ہوتا ہے اور اس کا نصف کہیں اور ہوتا ہے۔ ابھی تک تو اس کی نصف بہتر بھی کہیں اور ہی ہے۔ انگریزی سے اس قدر لگاؤ ہے کہ اس نے جتنی بار بی۔اے کا امتحان دیا انگریزی کا پرچہ ضرور دیا۔ کالج میں کلاس فیلوز کیساتھ یوں

پھرتا ہے کہ لگتا ہے بچوں کی فیس معاف کروانے آیا ہے۔ خوش خوراک ہے یعنی خوراک دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ لمبا فاصلہ پیدل طے کرتا ہے اگر زیادہ قریب جانا ہو تو رکشہ لے لیتا ہے۔

وہ بڑا حساس ہے۔ دوسروں سے اکثر اسے ہمدردی ہو جاتی ہے اور اس کے لئے دوسرے کا مصیبت میں مبتلا ہونا ضروری نہیں۔ بس خوبصورت ہونا ضروری ہے۔ اسے دنیا کا ہر خوبصورت انسان مظلوم نظر آتا ہے اور وہ عباس کے پاس بیٹھا ہوا ہو تو واقعی لگنے بھی لگتا ہے۔

عباس اپنی نسل کے شاعروں میں سب سے آگے ہے مگر وہ وقت دور نہیں جب اس کا پیٹ اس سے بھی آگے نکل جائے گا۔ کہتا ہے اس میں غزلیں ہیں! غزلیں! اگر یہ سچ ہے تو یہ پہلی تخلیق ہے جو مہینوں کی بجائے منٹوں میں یہاں سے نکلتی ہے۔ عباس گا بھی لیتا ہے مگر اس کے گانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوسرے کو سنائی نہیں دیتا۔ اتنے درد سے گاتا ہے کہ سننے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اسے درد ہو رہا ہے۔

عباس کی دوسری کتاب کا نام "آسمان" ہے جو مجھے اس لئے پسند ہے کہ آسمان کا رنگ بلیو ہوتا ہے اور سنا ہے فلم اور قلم بلیو ہی زیادہ چلتی ہے۔ جہاں تک عباس۔ تا۔ بش کی بات ہے تو میں نے دونوں کے نام اس لئے اکٹھے نہیں کئے کہ لوگوں کی عباس کے بارے میں بھی وہی رائے ہے جو بش کے بارے میں ہے بلکہ اس لئے کہ صدر بش "نیو ورلڈ آرڈر" دے رہا ہے تو عباس کی اردو شاعری "نیو ورڈ آرڈر"



BIRTH DAZE

کسی نے ایک اداکار سے پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے مغرب میں سائنس دانوں نے جھوٹ پکڑنے والی مشین بنائی ہے۔ تو اس نے کہا "ہاں مجھے پتہ ہے کیونکہ پچھلے ہی ماہ میری اس سے شادی ہوئی ہے۔" لیکن ہم بیوی کی بجائے صحافیوں کو جھوٹ پکڑنے والی مشین سمجھتے رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ صحافیوں سے کوئی خبر چھپ ہی نہیں سکتی۔ ہمارے صحافی تو ویسے بھی خوب خبر لیتے ہیں۔ لیکن یہ پڑھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ میڈم نور جہاں کی سالگرہ پر کئی نئے گلوکاروں نے شرکت کی مگر کسی کو پتہ نہ تھا کہ میڈم کی کونسی سالگرہ ہے؟ یہاں تک کہ صحافیوں کو بھی میڈم کی اصل عمر کی خبر نہ ہو سکی۔ صاحب خبریں سچ ہوں نہ ہوں، آج سچ ایک خبر ضرور ہے۔ کسی نے کہا ہے

"صحافت وہ شعبہ ہے جو لوگوں کو یہ بتاتا ہے کہ جان لارڈ مرگیا جبکہ لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ لارڈ جان زندہ بھی تھا۔" ایسے ہی ایک اخبار میں پروڈیو سر مدثر شریف کی موت کی خبر چھپ گئی تو اس نے اگلے دن اخبار کے بندوں کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ یہ خبر غلط ہے' آپ اس کی تردید چھاپیں۔ بڑے تردد کے بعد اگلے دن اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ ادارہ معذرت خواہ ہے کہ مدثر شریف صاحب زندہ ہیں۔ ایک ایسا واقعہ "پراودا" کو پیش آیا تو اخبار نے کہہ دیا کہ ہم اپنی خبر کی تردید نہیں چھاپ سکتے۔ آپ کے لئے اتنا کر سکتے ہیں' پیدائش کے کالم میں آپ کی خبر لگا دیں۔

اخبار نویس تو اس قدر تیز ہوتے ہیں کہ "دی لیڈر" کے چیف ایڈیٹر نے کہا تازہ خبریں دینے کے معاملے میں ہمارا اخبار سب سے آگے ہے' جیسے ہم نے سب سے پہلے باب تھامس کی موت کی خبر دی اور جب پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے تو سب سے پہلے یہ خبر بھی ہم نے دی۔ ہمارے بھی ایک کثیر القلت اخبار نے اداکار مظہر شاہ کی وفات کی خبر چھاپ دی' بعد میں پتہ چلا کہ وہ صرف بیمار ہیں۔ چند ماہ بعد جب وہ انتقال کر گئے تو اس اخبار نے لکھا "ہمارا اخبار مظہر شاہ کی وفات کی خبر پہلے دینے میں بازی لے گیا' کیونکہ دوسرے اخبار مظہر شاہ کی وفات کی خبر آج چھاپ رہے ہیں جبکہ ہمارے اخبار نے یہ خبر تین ماہ پہلے دے دی تھی۔" اخبارات کے صفحے بھی اب اتنے ہو گئے ہیں کہ ایک اخبار بیچنے والے سے کسی نے پوچھا: "تم اخباروں سے تھک نہیں جاتے؟" اس نے کہا: "نہیں میں کونسا انہیں پڑھتا ہوں۔" اسی لئے نویل کاورڈ کہتا ہے کہ میں صبح اٹھ کر ورزش کرنے کے لئے امریکن سنڈے ٹائمز کا انتظار کرنے لگتا ہوں کیونکہ اس اخبار کو فرش سے اٹھا کر میز پر رکھنا ہی میری ورزش ہے۔ یہی نہیں' صحافت اتنی ایڈوانس ہو گئی ہے کہ لیڈی ڈیانا کو پہلی بار یہ اطلاع اخبار سے ملی تھی کہ وہ "امید" سے ہیں۔ "ایڈوانس" ہمارے ہاں بھی چلتا ہے۔ بہرحال اس دور میں صحافیوں کا یہ پتہ نہ کر سکنا کہ میڈم نور جہاں کی کون سی سالگرہ ہے'؟ بڑا عجیب سا لگتا ہے۔

سالگرہ' سال کے گزرنے کی اطلاع ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے تو اسے سال گرا لکھنا چاہئے۔ مرد اور عورت کی سالگرہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ مرد سالگرہ پر ایک دن کی چھٹی کرتا ہے تو عورت سالگرہ پر سال کی چھٹی کر دیتی ہے۔ بڑھاپے کا صرف یہی نقصان ہے کہ سالگرہ پر اتنے کا کیک نہیں آتا جتنے کی موم بتیاں آتی ہیں۔

باب ہوپ اپنی ۸۲ ویں سالگرہ پر لکھتا ہے:

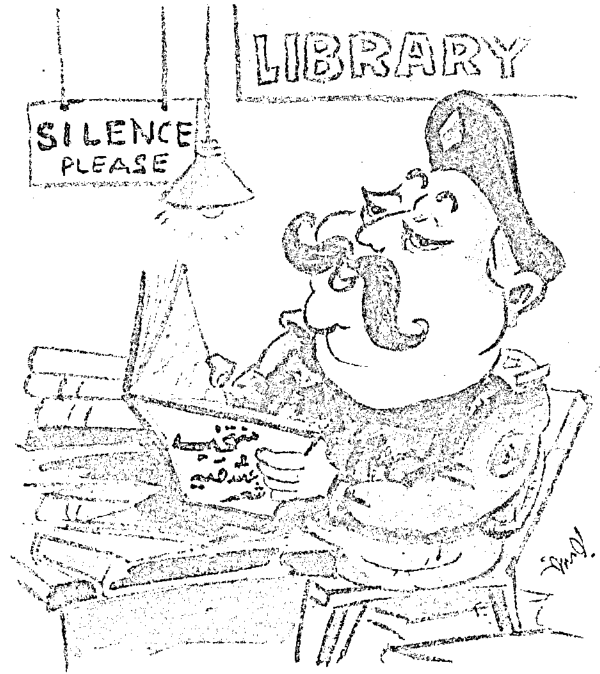
"میں سوچتا ہوں کہ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ آپ میری ۳۹ ویں

سالگرہ کی ۴۲ ویں برسی پر اکٹھے ہوئے ہیں لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے اس سال موم بتیاں نہیں جلاؤں گا کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں جہاز اسے رن وے نہ سمجھ لے۔"

سالگرہ پر موم بتیاں تو ہوتی ہی عمر پر روشنی ڈالنے کے لئے ہیں۔ اسی لئے تو ایک اداکارہ نے کہا تھا کہ میں اپنی عمر کے حساب سے سالگرہ پر موم بتیاں جلالوں تو گھر کو آگ نہ لگ جائے۔"

ایک بار راکیل ویلچ نے اپنی سالگرہ پر معزز مہمانوں کو بلایا اور سہیلی سے مشورہ کیا کہ میں ان سب کو ایسا سرپرائز دینا چاہتی ہوں کہ سب حیران ہو جائیں۔ بتاؤ میں کیا کروں؟ سہیلی نے کہا "تم انہیں اپنی اصلی عمر بتا دینا' سب حیران ہو جائیں گے۔" جیکی کینیڈی کہا کرتی کہ میری زندگی کے بہترین دس سال وہ ہیں جو میں نے اکیس سال کی عمر میں گزارے۔ خاوند سے طلاق کے سلسلے میں اسے عدالت میں بیان دینا تھا تو اس نے یہ حلف بعد میں اٹھایا کہ جو کچھ کہوں گی' سچ کہوں گی اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی' پہلے عدالت کو اپنی عمر لکھوا دی۔

خواتین کا سب کچھ ان کے لباس سے ظاہر ہو جاتا ہے لیکن عمر پر یہ بھی پردہ ڈالتا ہے۔ الزبتھ ٹیلر کی اپنے سے کئی برس چھوٹے لاری فورٹینسکی سے آٹھویں شادی ہوئی ہے۔ تو ایک صحافی نے پوچھا' "محترمہ! آپ اپنے دولہا سے کتنی بڑی ہیں؟" تو الزبتھ ٹیلر نے کہا' "میں کہاں بڑی ہوئی' لاری مجھ سے پورے چار انچ بڑا ہے۔" الزبتھ کے بیٹوں سے پوچھو کہ آپ اپنے رشتہ داروں کے بارے میں بتائیں؟ تو کہیں گے "امی کی طرف سے سات ابو اور ابا کی طرف سے تین امیاں ہیں۔" ایک بار الزبتھ ٹیلر کی بیٹی نے کہا "ممی مجھے سالگرہ پر کوئی نیا تحفہ دیں جو آج تک کسی کو نہ ملا ہو۔" تو الزبتھ نے اسے تحفے میں نیا باپ دیا۔ ہمارے ہاں ملکہ ترنم نور جہاں بھی الزبتھ ٹیلر کے پائے کی فنکارہ ہیں۔ ان کی زندگی کی کہانی دراصل موسیقی کی زندگی کی کہانی ہے۔ میں نے ایک صحافی سے پوچھا کہ جب ان کا سب ظاہر ہے تو پھر یہ جاننا کون سا مشکل کام ہے کہ ان کی عمر کیا ہے؟ تو اس نے کہا' "مسئلہ یہ ہے کہ ہر نئے گانے کے بعد ان کی عمر اور بڑھ جاتی ہے اس لئے ان کی عمر جاننے کے لئے اک عمر چاہئے۔"



دل برداشتہ اور دلبر داشتہ

صاحب! میں نے جب یہ خبر پڑھی کہ پنجاب پبلک لائبریری میں پولیس والوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں' تو میرا خیال تھا کہ لوگ اس خبر پر حیران ہوں گے' لیکن انہوں نے تو باقاعدہ احتجاج کیا جس سے اندازہ کر لیں کہ ہماری عوام پولیس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ انہوں نے احتجاج اس لئے کیا کہ انہیں یقین ہے کہ پولیس والوں کو لائبریری بھیجنا دراصل انہیں سزا دینا ہے۔ جیسے کسی نے کہا تھا کہ کولمبس کو امریکہ دریافت کرنے کی وجہ سے جہنم میں نہیں بھیجا جائے گا بلکہ واپس امریکہ بھیج دیا جائے گا۔ ایسے ہی آج کل کتابیں لکھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ یہی سزا دی جا سکتی ہے کہ ان کو انہی کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھوائی جائیں۔ سو اگر پولیس والوں کو سزا دینا ہی

مقصود تھا تو ان سے رپٹیں پڑھوانی چاہیئے تھیں۔

کتابوں سے ہمارا رشتہ ایسا ہی ہے کہ ایک دوست نے اپنی کتاب بھیجی اور ساتھ رقعہ بھی بھیجا کہ وعدہ کرو کبھی وقت ضائع نہیں کرو گے تو ہم نے وہ کتاب واپس بھیجتے ہوئے لکھا کہ ہم نے آج ہی سے وعدہ کر لیا ہے کہ وقت ضائع نہیں کریں گے۔ بہرحال اتنا پتہ ہے 'کتاب ہمیشہ ادھار لے کر پڑھنی چاہیئے کہ اس طرح نہ بھی پڑھیں تو نقصان نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں جو کتاب ادھار دیتا ہے' وہ بڑا بے وقوف ہوتا ہے اور اس سے بڑا بے وقوف وہ ہوتا ہے جو واپس لوٹاتا ہے۔ ہو سکتا ہے پولیس' لائبریری میں یہ غیر قانونی لین دین بلکہ لین ہی لین روکنے کے لئے آئی ہو۔

لائبریری ادیبوں کا حرم ہوتی ہے۔ اس حرم زدگی میں مداخلت پر ادیبوں شاعروں کو احتجاج کرنا چاہیئے تھا۔ بالخصوص شاعروں کو کیونکہ انہیں تو یہ بھی ڈر ہے کہ اگر ان کی شاعری پولیس کو سمجھ آ گئی تو وہ حدود آرڈیننس میں دھر لئے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس یہاں غیر قانونی اسلحہ برآمد کرنے آئی ہو اور وہ "علی پور کا ایلی" اور "شہاب نامہ" کو آلہ ضرب سمجھ کر فی الفور ضبط کر لے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہاں کوئی ادبی چوری ہو گئی ہو۔ آج کل سرقہ بہت عام ہے اور ایسی چوریوں کی تفتیش تو پھر لائبریری میں ہی ممکن ہے۔

پولیس اور کتاب میں یہ رشتہ ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ درج ہوتا ہے' بعد میں تو کئی ہو سکتے ہیں۔ بعض کتابیں تو ہوتی ہی نرا مقدمہ ہیں' جیسے مولانا الطاف حسین حالی کی "مقدمہ شعر و شاعری"۔ ویسے اہل کتاب بھی تھانے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک تھانے دار کو اختر شیرانی بہت پسند تھے۔ ایک شخص موصوف کو اختر شیرانی کے عشقیہ شعر سناتا اور ہر شعر کا مطلب یہ بتاتا کہ شاعر محبوبہ سے وصال چاہتا ہے۔ ایک دن وہ شخص بہت غمزدہ آیا اور کہا چوہدری صاحب اختر شیرانی کا وصال ہو گیا اور رونے لگا۔ تھانے دار نے کہا' "تم تو یوں غمزدہ ہو جیسے اس کا وصال تمہاری محبوبہ سے ہوا ہے۔" ایک باپ ایسے ہی تھانے دار کے پاس اپنی لڑکی کے گم ہونے کی رپورٹ درج کرانے گیا اور باتوں باتوں میں بتایا کہ اسے میر اور غالب بہت پسند تھے' تو تھانے دار نے سپاہیوں سے کہا "فوراً جا کر تفتیش کے لئے مسمی میر اور مسمی غالب کو پکڑ کر تھانے لاؤ۔" ایک شاعر نے محرر سے کہا "رپٹ لکھیں' میرا کتابچہ گم ہو گیا ہے۔" تو اس نے کہا "پہلے یہ بتائیں کہ آپ نے کتے کا بچہ کھلا چھوڑا ہی کیوں تھا۔"

پولیس مین بننے کے لئے ایک ہی صلاحیت چاہیئے وہ یہ کہ کہیں بھی سو سکے

بلکہ چلتا پھرتا نیند پوری کرتا پھرے۔ ایک بار پولیس میں بھرتی ہو رہی تھی کہ ایک نوجوان جو سب سے دلیر لگ رہا تھا' اس سے پوچھا گیا کہ فرض کرو تم پولیس کی گاڑی چلا رہے ہو تمہارے ساتھ چھ پولیس جوان رائفلیں لئے پیچھے بیٹھے ہوں۔ یکدم ایک موڑ پر ڈاکوؤں سے بھری ہوئی گاڑی نکل کر چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تمہارا پیچھا کرنے لگے تو تم کیا کرو گے؟ امیدوار نے گھبرا کر کہا "میں اپنی گاڑی کی رفتار پچاس میل فی گھنٹہ کر دوں گا"۔ ایک ایسے ہی سپاہی کو انسپکٹر نے کہا' "تمہارے سامنے سے ملزم بھاگ گیا۔ تم نے اسے پکڑا کیوں نہیں؟" تو سپاہی بولا "سر! میں کیا کرتا میرا کوئی ہاتھ فارغ ہی نہیں تھا ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں ہتھکڑی تھی۔"

تھانوں کا یہ حال ہے کہ ہمارے جاننے والوں کا بچہ گم ہو گیا۔ انہوں نے ایس پی صاحب کو درخواست دی کہ کوئی کارروائی نہیں ہو رہی تین دن کے بعد اطلاع دی گئی کہ آپ کی درخواست گم ہو گئی ہے' ایک اور دے دیں۔ پولیس مین کی ذہانت کے تو سب قائل ہیں' گوجرانوالہ تھانے میں محرر نے چوری کا ملزم چھوڑ دیا۔ وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ گواہوں کے بیانوں سے پتہ چلا کہ وہ بے گناہ ہے کیونکہ صرف دو آدمی کہہ رہے تھے کہ ہم نے اسے چوری کرتے دیکھا ہے جب کہ چھ آدمی کہہ رہے تھے ہم نے اسے چوری کرتے نہیں دیکھا۔ ویسے ہو سکتا ہے پولیس والے پنجاب لائبریری میں کسی خفیہ مشن پر آئے ہوں۔ ایک سپاہی کو کسی نے بتایا کہ میں یہاں خفیہ مشن پر آیا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" بولا "وہ اتنا خفیہ ہے کہ انسپکٹر صاحب نے مجھے بھی نہیں بتایا۔" جب مصطفیٰ کھر فیصل آباد جیل میں تھے۔ ان کو سب کچھ میسر تھا۔ جس کا تخمینہ سابقہ تہمینہ کھر ہی لگا سکتی ہے۔ کھر صاحب کو جیل میں' دیکھنے کے لئے ٹی وی دیا گیا تو ایک صحافی نے کہا' "ہمیں اس بات پر احتجاج کرنا چاہئے۔" تو دوسرے نے کہا "اگر مصطفیٰ کھر خود اس پر احتجاج نہیں کرتا تو ہم کیوں کریں۔" سو پنجاب پبلک لائبریری میں جانے پر پولیس والے خود احتجاج نہیں کرتے تو لوگوں کو کیا ضرورت ہے احتجاج کرنے کی؟ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم پولیس والوں کو اتنا بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کہ ہو سکتا ہے وہ ہم سے ہی پوچھ گچھ شروع کر دیں کہ یہ دلبرداشتہ رہنے والی کہاں کی ہے؟